ماہنامہ
قلندر شعور
مارچ ۲۰۱۹ء
سکون زندگی کی سب سے بڑی نعمت ہے
اور روح کے عرفان کے بغیر سکون نہیں ملتا
عالمِ ارواح
1
6
صعودی حرکت
نزولی حرکت
عالمِ لوحِ محفوظ
2
5
عالمِ اعراف
عالمِ مثال
(عالمِ برزخ)
4
3
عالمِ ناسوت

جلد 7 شمارہ 2 | مارچ 2019ء | جمادی الاخریٰ ۔ رجب 1440ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ شعور کراچی

قلندر شعور

Neutral Thinking

(اردو ۔ انگریزی)

سرپرست اعلیٰ

حضور قلندر بابا اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر

خواجہ شمس الدین عظیمی

ایڈیٹر

حکیم سلام عارف

سرکولیشن منیجر

محمد ایاز

باہتمام عظیمی یونیورسٹی پریس ۔۔۔ پبلشر شاہ عالم عظیمی نے ابن حسن آفسیٹ پرنٹنگ پریس، ہاکی اسٹیڈیم، کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

فی شمارہ 70 روپے..... سالانہ ہدیہ 950 روپے رجسٹرڈ ڈاک کے ساتھ ، بیرونِ پاکستان 60 امریکی ڈالر سالانہ

B-54، عظیمی محلّہ، سیکٹر C-4 سرجانی ٹاؤن کراچی، پاکستان ۔ فون نمبر: 6912020 213 (0) 92+

۳۶ مضامین کا گُل دان

حمد باری تعالیٰ	بشیر حسین ناظم	10
نعت رسول مقبول ﷺ	حضرت ذہین شاہ تاجیؒ	11
رباعیات	ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاءؒ	12
آج کی بات	مدیر مسئول	14
پچیسویں روحانی ورکشاپ کی رپورٹ	ادارہ	26
فقیر کی ڈاک	ادارہ	27
نامے میرے نام	خانوادہ سلسلہ عظیمیہ	29
حضرت محمد رسول اللہ ﷺ	ماخوذ	33
اقتباسات	قارئین	37
ابھی ـــ آتش فشاں سو رہے ہیں	حامد ابراہیم (M.A-Fine Arts)	41
میرا چاند	احمد نواز (M.Ed.)	47
بے نیاز بندہ ـــ اللہ کا نیاز مند	طاہر محمود (M.Sc-Physics)	51
یادداشت کا بہترین ذریعہ ـــ بوئے وفا	حضرت بابا عبید اللہ درانیؒ	57
توجہ ـــ ؟	ع۔ ح۔ جمیل	61
بنت بہادر شاہ	خواجہ حسن نظامی	67
مرشد کی باتیں (۲)	عائشہ خان (M.A-Mass Comm.)	75
عام ـــ خاص	روزینہ ملک	79

پان کی ناز برداری ——— نقی محمد خاں 85

دسمبر 2018ء کے سرورق کی تشریح ——— قارئین 91

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا ——— عثمان طاہر 95

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزیؒ نہ شد ——— (M.A-Mass Comm.) تالیف: قرۃ العین واسطی 99

راب ——— (M.D—Alternative Medicines) محمد سعید انور 105

شہنشاہ ظرافت ــــ ملّا دو پیازہ ——— محمد الدین فوق 109

نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری ——— (MBA) سید اسد علی 115

اللہ میاں کے باغ کے پھول ———

اولی الالباب بچے ——— ادارہ 121

روشنی کا قمقمہ ——— شگفتہ زبیر 124

آدم باغ ــــ باغ آدم ——— الہام عابد 125

اپو، ٹپو، گپو ——— (M.A-Mass Comm.) سارہ خان 131

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر ——— خواجہ شمس الدین عظیمی 135

146 Hazrat Farid al-Din Attar (RA) ——— The Diary of Birds

150 Dr. Naeem Zafar (Ph.D.) ——— The Universe

153 Extracted ——— Prophet Solomon (PBUH)

158 Kausar Chand Puri ——— Hiccups

163 Noor Jehan ——— The Life of Baba Qadir (RA)

167 Bibi Anuradha (UAE) ——— The Musk

172 K. S. Azeemi ——— Message of the Day

حمد باری تعالیٰ

بشیر حسین ناظم

جسم و جاں میں منعکس جلوہ تری تنویر کا
کیا تشکر ہوسکے بندہ سے اس تقدیر کا

تیرا باب مرحمت مفتوح ہے شام و سحر
بخشنے والا ہے تو ہر ایک کی تقصیر کا

اور نعروں کے بھی پاسخ ہوں گے جاں پرور مگر
ہے جواب ''اللہ اکبر'' نعرۂ تکبیر کا

رات کی تنہائیوں میں اے انیس قلب و جاں
کیا مزہ آتا ہے تیرے نام کی تکریر کا

تیری طاعت ضامن فوز و فلاح و عافیت
تیرا ذکر پاک باعث عزت و توقیر کا

تیرے آگے سر خمیدن قوت قلب و جگر
تاب روحِ مضمحل جلوہ تیری تذکیر کا

جب تبتّل سے ترے آگے کوئی سجدہ کرے
خود بخود ہوتا ہے ساماں نفس کی تسخیر کا

تیرے ہی انوار سے ہے پیکر گِل تابناک
امر سے تیرے ہی نکھرا رنگ اس تصویر کا

غلغلہ ہے ہر طرف اس حسن عالم گیر کا
مصدر و مطلع ہے جو آفاق کی تنویر کا

حضرت ذہین شاہ تاجیؒ

نعت رسول مقبول ﷺ

سائے میں تمہارے ہیں، قسمت یہ ہماری ہے
قربان دل و جاں ہیں، کیا شان تمہاری ہے

کیا پیش کروں تم کو، کیا چیز ہماری ہے
یہ دل بھی تمہارا ہے، یہ جاں بھی تمہاری ہے

نقشہ تیرا دل کش ہے، صورت تیری پیاری ہے
جس نے تمہیں دیکھا ہے، سو جان سے واری ہے

گو لاکھ برے ہیں ہم، کہلاتے تمہارے ہیں
اک نظر کرم کرنا، یہ عرض ہماری ہے

ہم چھوڑ کے اس در کو جائیں تو کہاں جائیں
یہ عمر تمہارے ہی ٹکڑوں پہ گزاری ہے

بیمار کو غفلت ہے، بے ہوشی سی طاری ہے
اک نام تمہارا ہے جو ہونٹوں پہ جاری ہے

سائے میں تمہارے ہیں، قسمت یہ ہماری ہے
قربان دل و جاں ہیں، کیا شان تمہاری ہے

دیکھنے کا زاویہ

تو آج خدارا کل کے بارے میں نہ سوچ
آئے گی اجل، اجل کے بارے میں نہ سوچ
رشتہ تو ہمارا ہے ازل سے لیکن
پی اور پلا، ازل کے بارے میں نہ سوچ

''(اے نبیؐ) کہہ دو کہ وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں آ کر رہے گی اور پھر تم غیب اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کر دے گا۔'' (الجمعۃ:۸)

یہ کون نہیں جانتا کہ آج نہیں تو کل ہمیں مر جانا ہے۔ زندگی صرف آج کا نام ہے۔ پھر تو کیوں آنے والی کل کے بارے میں پریشان ہے ــــ؟ کبھی تو نے سوچا ہے کہ مرنا کیا ہے ــــ؟

ہمارا رشتہ قدرت کے ساتھ اسی وقت سے قائم ہے جب سے خود قدرت موجود ہے۔ قدرت نہیں چاہتی کہ ہم اس سے جدا ہوں۔ قدرت ہمیں اس دنیا سے اُس دنیا میں اس لئے الٹ پلٹ کر رہی ہے کہ ہمارا تعلق اس کے ساتھ قائم رہے۔ مرنا جب ہمارا مقدر بن چکا ہے تو پھر معرفت حق کی شراب خود پی اور دوسروں کو بھی پلا کیوں کہ نقد سودا ادھار سے اچھا ہے۔

یہاں ہر سانس شراب کی گھونٹ ہے۔ گہرائی میں سوچا جائے تو ساری دنیا خالص شراب کا ایک گھونٹ نظر آنے لگتی ہے۔ حد اور حدود ایسی ہوں تو مستی و قلندری یا گم راہی کا وجود ــــ ناوجود بن جاتا ہے۔ شراب کا یہی گھونٹ زندگی میں پنہاں اسرار کو میرے اوپر منکشف کرتا ہے، چاہے اسے مستی و قلندری میں گزار لیں اور چاہے گم راہی میں ضائع کر دیں۔

زندگی غیب سے آتی ہے اور غیب میں لوٹ جاتی ہے۔ غیب ظاہر غیب دیکھنے کا زاویہ ہے۔ شے کو دیکھنے یا نہ دیکھنے سے شے کا وجود ختم نہیں ہو جاتا۔ آدمی کے پاس وہی لمحہ ہے جس لمحہ وہ غیب کو حاضر دیکھتا ہے۔ زندگی جس لمحہ میں گزر رہی ہے اس میں زندگی کو تلاش کیا جائے تو ماضی، حال اور مستقبل کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ کیا ہونا ہے اور کیا ہو گا ــــ ایسے سوالات ہیں جن میں الجھ کر لمحۂ موجود بھی مٹی کی مانند مٹھی سے پھسل جاتا ہے۔

آج کی بات

ابدالِ حق قلندر بابا اولیاؒ کے چالیسویں عرس کے موقع پر حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کا خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''تعریف اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے۔ نہایت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے۔ روز جزا کا مالک ہے۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھائیں، ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا، جو معتوب نہیں ہوئے اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔'' (الفاتحہ)

محترم بزرگو، بہت عزیز، دل سے پیارو، دوستو، بیٹو، بیٹیو، حاضرین مجلس اور وہ تمام صاحبانِ بصیرت خواتین وحضرات جو اس مجلس میں تشریف فرما ہیں، اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے پرستار و اور مشن کے قافلو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

محترم دوستو! مجھے یاد بھی نہیں کہ کتنی مرتبہ آپ حضرات تشریف لائے، حاضری کی سعادت بخشی، اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی باتیں سنیں، انتہائی مخلصانہ، دوستانہ کوشش اور جدوجہد سے ان باتوں کو عوام میں پھیلایا اور سب سے بڑی بات یہ ہے حضور اکرمؐ کے مشن کی آبیاری میں آپ نے دامے، درمے، سخنے کوشش کی۔ ان مخلصانہ کوششوں کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے۔

آج کی مبارک محفل اس بات کی سند ہے کہ رسول اللہؐ کی نسبت سے، حضور قلندر بابا اولیاؒ کے علوم کی روشنی میں جو رسول اللہؐ کا علم ہے، ہم اسی طرح جدوجہد کرتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار کرتا رہے گا — انشاء اللہ۔

''جو لوگ ہمارے خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستے دکھائیں گے اور یقیناً اللہ نیکوکاروں ہی کے ساتھ ہے۔'' (العنکبوت:۶۹)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ جدوجہد کرتے ہیں، میرے لئے مخلصانہ طرزوں میں، میں

نے لازم کرلیا ہے کہ میں اپنے ان بندوں کو صراط مستقیم پر قائم رکھوں گا۔ اور میرے بندے جنہوں نے یوم ازل میں وعدہ کیا ہے، الست بربکم کے جواب میں قالوا بلیٰ کہا ہے ــــ وہ ہمیشہ میرے مشن کو، میرے پیغمبروں کے مشن کو جاری وساری رکھیں گے۔ الحمدللہ ــــ اللہ کا انعام اور فضل وکرم ہے کہ ہم پیروں پیروں چل رہے ہیں لیکن کامیابی روشن نظر آرہی ہے۔

ہماری کامیابی کیا ہے ــــ؟ کامیابی یہ ہے کہ ہم اس ذات اعلیٰ کو پہچان لیں جس نے ہمیں تخلیق کیا ہے۔ اس ذات اعلیٰ کو جان لیں جس نے ہمارے لئے رزق کا اہتمام کیا ہے۔ ماں کے پیٹ میں آنے کے بعد پہلے دن سے رزق کی فراہمی، پیدائش کے بعد ماں کے سینوں کو دودھ کی نہریں بنانا، والدین کے دل میں محبت ڈالنا، تربیت کا جذبہ پیدا کرنا، اللہ اور رسولؐ کی باتوں کو اولاد کے ذہن میں نقش کردینا ــــ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

الحمدللہ ــــ اللہ تعالیٰ نے ایسا مرشد عطا فرمایا جس کا مشن یہ ہے کہ اللہ کا عرفان حاصل ہو، اللہ کو پہچانا جائے اور اس بات کو سمجھنا ضروری قرار دے دیا جائے کہ آدمی کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ ایک دن کا بچہ جب دو دن اور دو دن کا بچہ پانچ دن کا ہوتا ہے تو عمر کا یہ گھٹنا بڑھنا کیا ہے ــــ؟

آج تک کوئی بیان نہ کرسکا کہ جو گھٹنے والی چیز ہے وہ گئی کہاں، ہمیں نظر کیوں نہیں آتی اور جو بڑھنے والی چیز ہے وہ کہاں سے آرہی ہے ہمیں نظر کیوں نہیں آتی ــــ؟ دس سال کے الٹ پلٹ میں جو دس سال غیب ہوئے وہ کہاں ہیں ــــ؟ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ پیدائش کے بعد اب تک وہ کتنا ردوبدل ہوا اور ردوبدل کا یہ عمل کہاں غائب ہوگیا ــــ؟

ہم خوش ہوتے ہیں صاحب ہمارا بچہ ماشاءاللہ دس سال کا ہوگیا ہے۔ یہ کون سا حساب ہے کہ ہر ہفتہ بدل جاتا ہے ــــ؟ ہمارا ذہن اور حافظہ اتنا کم زور ہے کہ بڑی سے بڑی گنتی کو سات دن کے اندر شمار کرکے قیامت تک حساب لگالیا ہے۔ جمعہ اتوار ــــ مہینے تبدیل ہوگئے،

جمعہ اتوار ــــ سال بدل گئے۔ جمعہ اتوار ــــ موسم تبدیل ہوگئے ــــ لیکن کبھی آپ نے سوچا کہ سات دن کا ہیر پھیر کیا ہے؟ 30 یا 31 دن کا مطلب کیا ہے؟ 30 دن کہاں گئے؟

بچہ سے پوچھیں تم کتنے سال کے ہو؟ وہ کہے گا میں 20 سال کا ہوں۔ پوچھیں 20 سال کہاں گئے؟ وہ کہے گا پتہ نہیں۔ جب آپ کو پتہ نہیں تو آپ 20 سال کے کیسے ہوگئے ــــ؟

20 سال کے ہر دو رخوں میں سے ایک رخ ظاہر ہوا، دو رخ غائب ہوگئے۔ آج غائب کل حاضر، پرسوں غائب پھر حاضر۔ کبھی غور کیا کہ عمر کیا ہے ــــ؟

ہم سالوں کی تعداد کو عمر کہتے ہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ میری عمر کے ساٹھ یا ستّر سال کہاں غائب ہوگئے ــــ وہ کہاں موجود ہیں ــــ؟ اگر وہ موجود نہیں ہیں تو آپ ستّر سال کے کیسے ہوگئے ــــ؟ کیا کوئی شے، عمر کا کوئی مرحلہ، کوئی وقفہ ایسا نظر آتا ہے جو مستقل ہو ــــ؟ دن ہو جاتا ہے اور رات ہو جاتی ہے، پھر دن ہو جاتا ہے پھر رات ہو جاتی ہے۔ ہمیں اس بات کا ادراک کیوں نہیں ہے دن کہاں گیا اور رات کہاں سے آرہی ہے ــــ؟

عمر کے بارے میں سوچیں تو ایک ہی بات نظر آتی ہے کہ سب غیب و شہود ہے۔ ہم سمجھ رہے ہیں ہم اتنے سال کے ہوگئے، بھئی وہ اتنے سال کہاں گئے ــــ؟ آخر ہم آتے کہاں سے ہیں پھر ایک دم غائب کیوں ہو جاتے ہیں ــــ؟ بات سمجھ میں آگئی ــــ؟

موضوع آگے بڑھاؤں یا آپ مزید سمجھنا چاہتے ہیں ــــ؟ آپ کیا سمجھے یہ بتا دیں۔ کبھی خیال آیا ہے ہم جا کہاں رہے ہیں اور کہاں سے آرہے ہیں ــــ؟ کیا ہم پیدائش سے پہلے یہاں تھے ــــ؟ (خواتین و حضرات نے ایک آواز میں کہا: نہیں)

تو کہاں تھے ــــ؟ (حاضرین نے کہا: غیب میں)

غیب کا پتہ ہے کیا ہے غیب ــــ؟ کسی نے دیکھا ہے ــــ؟ آپ تو اپنی بنیاد سے واقف نہیں کہ ہم کہاں سے آئے، کہاں جارہے ہیں۔ ہم غیب سے آئے، غیب میں جارہے ہیں پھر

غیب سے آتے ہیں پھر غیب میں جا رہے ہیں، پھر غیب سے آتے ہیں پھر غیب میں جا رہے ہیں، پھر غیب سے آتے ہیں پھر غیب میں جا رہے ہیں ___ آخر غیب میں ہو جاتے ہیں۔

کیا یہ زندگی کے شب و روز کی کہانی نہیں ہے ___؟ کیوں نہیں سوچتے ___؟

جب ہم آتے ہیں تو جسم پر کپڑا نہیں ہوتا ___ مرتے ہیں تو جسم پر سے کپڑے قینچی سے کاٹ لیے جاتے ہیں۔ کوئی آدمی کوٹھی بنگلا، سرمایہ یا اولاد کو ساتھ لے گیا؟ سوال یہ ہے کہ وہ بچہ جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا وہ کہاں سے آیا ___؟ (حاضرین نے کہا: غیب سے)

غیب کیا ہے، کہاں ہے ___ دو دفعہ غیب میں الٹ پلٹ کے بعد ایک دفعہ ظاہر ہونا کیا ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ بھوک لگ رہی ہے۔ بھوک تقاضا ہے، تقاضا پورا ہوا اور آپ بھول گئے۔ سو کر اٹھتے ہیں پھر بھوک لگتی ہے۔ کھانے پینے کا تقاضا کیا ہے ___؟ اندر ایسی کون سی مشین ہے جو کہتی ہے کہ روٹی کھا۔ بھوک کی آواز آپ نے سنی ___؟ آدمی مرتا ہے تو یہ تقاضے کہاں چلے جاتے ہیں ___؟

جتنے دانش ور پیدا ہوئے آج تک کوئی نہیں بتا سکا کہ آنے والا آدمی کہاں سے آیا اور جانے والا آدمی کہاں گیا ___؟ قبر کھول کے دیکھ لو وہاں مٹی کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ مٹی سے جان دار شے بنانے والا کون ہے ___؟ کیا فارمولا ہے ___؟ آنکھ، ناک، کان گائے، کبوتر، چیونٹی سب کے ہوتے ہیں۔ وہ کون مصور ہے جس نے چھوٹی سے چھوٹی چیز جو نظر نہیں آ رہی اس میں بھی آنکھ بنائی اور بڑی سے بڑی چیز پہاڑ میں بھی ___؟

••———————••

''ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کی تو وہ اسے اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک وہ ظالم اور جاہل ہے۔'' (الاحزاب: ۷۲)

یعنی پہاڑوں کے اندر جو سمجھ ہے، زمین کے ذرّات میں جو فہم ہے، اور جتنی مخلوقات ہیں ان

کے اندر عقل ہے، وہ سمجھ گئے کہ یہ امانت ہم نہیں اٹھا سکتے ــــ نوع آدم نے جلد بازی کی۔

اللہ کی امانت اس کے پاس ہے۔ جب امانت ہے تو وہ اللہ کا نائب ہے۔ اللہ کی امانت حاصل ہونے کے بعد وہ جاہل اور ظالم کیوں ہے ــــ؟ آج تک لوگوں کو اس بات کا مکمل طور پر ادراک نہیں ہوا کہ آدمی، آدمی ہے یا انسان ہے ــــ؟ آدمی بھی آدمی ہے انسان بھی آدمی ہے۔

قرآن کریم میں آدم کی پیدائش کی تاریخ دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے آدمی کے لئے فرمایا ہے کہ سڑے ہوئے گارے سے، کیچڑ سے، تعفن سے، گندی سے گندی چیز جو ہو سکتی ہے، اس سے تخلیق کیا۔ اور انسان کے بارے میں کیا ہے ــــ؟

''انسان ہماری بہترین صناعی ہے، اور یہ اسفل سافلین میں پڑا ہوا ہے۔''

اللہ کا امین (نائب) اسفل سافلین میں تو جا نہیں سکتا ــــ یعنی آیت کے اگلے حصہ میں آدمی کا ذکر ہے۔ آپ کھانا کھاتے ہیں، دو دن کھانا رکھ کر دیکھ لیں، اس کی base آپ کے سامنے آجائے گی۔ کیا وہ سڑ نہیں جائے گا ــــ؟ اس میں خوش بو آئے گی یا بد بو آئے گی ــــ؟ اگر آپ دو دن پہلے اسے کھا لیتے ہیں تو آپ نے کیا کھایا ــــ؟ اس کی base کیا ہوئی ــــ؟ خوش بو یا بد بو ــــ؟ (حاضرین نے جواب دیا: بد بو)

جس مادہ سے تخلیق ہے اگر وہ جسم پر لگ جائے تو جب تک اسے دھوئیں گے نہیں، چین نہیں آتا۔ کیا ایسا نہیں ہے ــــ؟ آدمی کی تخلیق کیا ہوئی ــــ؟ (حاضرین نے کہا: سڑاند)

آدمی مر جاتا ہے تو ایک یا دو دن کے بعد کیا آپ اسے گھر میں رکھ سکتے ہیں؟ آدمی کی اصل کیا ہوئی ــــ؟ اللہ تعالیٰ نے اس سڑاند کو دبانے کے لئے اپنی امانت ''اسما کا علم'' پیش کیا۔

کبھی کسی سڑے ہوئے جسم کو خواب میں دیکھا؟ اس میں سے بد بو آتے محسوس کی؟ پیدائش سے 80، 90 سال تک بد بو اور سڑاند کا احساس نہیں ہوا؟ دو دن نہ نہایئے پھر دیکھئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سڑاند کو اچھی تخلیق سے تبدیل کیا اور یہ انسان بن گیا۔ ہم خود کو انسان

کہتے ہیں۔ بتایئے موجودہ صورت حال میں ہم انسان ہیں یا آدمی ہیں ــــ؟

(سب نے بیک آواز کہا: آدمی)

اور آدمی کیا ہے ــــ؟ (حاضرین نے کہا: سڑاند، تعفن)

اور انسان کیا ہے ــــ؟ (حاضرین نے کہا: احسن تقویم۔ اللہ کی بہترین صناعی)

اب بتایئے گائے کی تخلیق اور آدمی کی تخلیق میں کیا فرق ہے ــــ؟ کتے کی اور آدمی کی تخلیق میں کیا فرق ہے ــــ؟ پھر کتے، بلی اور آدمی میں کیا فرق ہے ــــ؟ لوگ کہتے ہیں آدمی کے پاس عقل ہے، کتے بلی کے پاس عقل نہیں۔ وہ کتا جو خوش بو سونگھ کر مجرم پکڑتا ہے اس کی قیمت کا پتہ ہے آپ کو ــــ؟ پچیس لاکھ، تیس لاکھ روپے۔ اور آدمی کی کیا قیمت ہے ــــ؟

کیا ہدہد نے حضرت سلیمانؑ کی ملکہ بلقیس سے شادی نہیں کرادی ــــ؟ کون سا ایسا کردار ہے جو شادی کے لئے ہم استعمال کرتے ہیں اور ہدہد نے استعمال نہیں کیا ــــ؟ ہدہد اڑتا رہتا تھا زمین میں جس جگہ وافر مقدار میں پانی ہوتا، اس کی نشان دہی کرتا تھا اور حضرت سلیمانؑ کا لشکر اس نشان دہی کے مطابق پڑاؤ ڈالتا تھا۔

ایک روز حضرت سلیمانؑ نے فرمایا، میں دربار میں ہدہد کو نہیں دیکھتا ہوں۔ اگر اس نے غیر حاضری کی معقول وجہ نہیں بتائی تو میں اسے ذبح کردوں گا۔ ہدہد آیا اور ساری کہانی سنادی۔ پھر وہ حضرت سلیمانؑ کا خط ملکہ کے پاس لے کر گیا، ملکہ نے خط پڑھا۔ ہدہد وہیں بیٹھا رہا۔

ملکہ نے درباریوں سے مشورہ کیا کہ جس طرح خط آیا ہے اس سے واضح ہے کہ وہ طاقت ور بادشاہ ہے، ہم اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ درباریوں نے کہا، گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

ملکہ بولی، نہیں! تم نہیں سمجھ رہے، جس عجیب وغریب طریقہ سے خط آیا ہے اس حساب سے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ ہم سلیمانؑ کے لشکر سے لڑیں۔

ملکہ نے مشورہ کر کے کہا، میں حاضر ہوتی ہوں تابع دار ہوکر ــــ پرچہ میں لکھ کر ہدہد کی

ٹانگ پر باندھ دیا اور ہدہد نے خط حضرت سلیمانؑ کو دے دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے پوچھا، کوئی ہے جو بلقیس کا تخت اس کے آنے سے پہلے لے آئے ــــ؟

ایک جن نے کہا، اس سے پہلے کہ دربار برخاست ہو، تخت حاضر ہو جائے گا۔

وہاں ایک ''انسان'' بھی تھا۔ اس کا نام برخیا بتایا جاتا ہے۔

اس نے کہا، اس سے پہلے کہ آپ کی پلک جھپکے تخت حاضر ہو جائے گا کیوں کہ میرے پاس علم الکتاب ہے۔ یعنی میں قرآن کریم کا علم جانتا ہوں۔ حضرت سلیمانؑ کی پلک جھپکی، تخت موجود تھا۔ کم وبیش پندرہ سو میل کا فاصلہ بتاتے ہیں۔ اور یہ کون کہہ رہا ہے ــــ؟ انسان۔

ہم کیا ہوئے؟ ہم نے کبھی اس بات کا دعویٰ کیوں نہیں کیا ــــ؟ اس لئے کہ علم نہیں ہے۔

کیا دنیا میں کوئی بھی علم بغیر ترجمہ کے علم ہے ــــ؟ قرآن کریم کا ترجمہ کتنے لوگ جانتے ہیں ذرا ہاتھ اٹھائیں۔ (ہزاروں کے مجمع میں سے ایک فرد نے بھی ہاتھ نہیں اٹھایا۔)

جب آپ کو قرآن کا علم حاصل نہیں ہے تو کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ میں انسان ہوں ــــ؟

اس علم کی جو اہمیت اور بنیاد ہے کہ آپ پلک جھپکیں، تخت آجائے گا۔ ہم کیا بحیثیت انسان کے اس شخص کی اولاد نہیں ہیں ــــ؟ یہاں ماشاءاللہ میرا خیال ہے شاید ہی کوئی ہوگا جو بی اے، ایم اے یا میٹرک نہ ہو اور پوچھا جائے کہ قرآن کی سب سے چھوٹی سورہ ''الکوثر'' کا ترجمہ سناؤ، کیا آپ سنا دیں گے ــــ؟ (مجمع میں مایوس خاموشی تھی)

اچھا قل ھواللہ کا ترجمہ سنا دو ــــ؟ (مجمع خاموش تھا)

جب قرآن کریم کا معاملہ آتا ہے، ذہن ختم ہو جاتا ہے۔ اور جب انگریزی کا مطلب، گنتی کا مطلب یا کسی اور زبان کا مطلب آتا ہے تو آپ کو سب یاد ہو جاتا ہے۔ قرآن سب نے پڑھا ہے۔ اگر قرآن کی طرح ہم انگریزی پڑھیں، ہندی پڑھیں، جو بھی پڑھیں، بتایئے ہم کوئی ملازمت کر سکتے ہیں ــــ؟ (حاضرین نے کہا: نہیں کر سکتے)

جب قرآن کریم کا آپ کو ترجمہ نہیں پتہ، آپ اس سے فائدہ کیسے اٹھا سکتے ہیں ــــ؟ چوم کے سر پر رکھ دیا، ٹھیک ہے ادب کا تقاضا ہے، ہونا چاہئے۔ آپ انگریزی کی کتابیں پہلی دوسری دسویں تک کی سر پر باندھ کر سو جائیں اور جب صبح اٹھیں گے تو آپ میٹرک پاس ہوں گے! کیا ایسا ممکن ہے ــــ؟

• • ——————— • •

گذشتہ روز روحانی ورکشاپ ہوئی جس کا عنوان ''اسلام اور ایمان'' تھا۔ اسلام کا مطلب ہے سلامتی کے راستہ پر آدمی چل پڑے۔ اور ایمان کا مطلب ہے یقین کامل کے ساتھ سفر شروع کرے تاکہ منزل مقصود تک پہنچ جائے۔ آپ نے انگریزی نہیں پڑھی، آپ کو لندن بھیجا جائے تو کون سی باتیں کریں گے؟ انگریزی سیکھنی پڑے گی، صرف ABCD سے کچھ نہیں ہوتا۔

قرآن کریم کی چھ ہزار چار سو سے زائد آیات ہیں۔ ہم کتنی آیات کا ترجمہ جانتے ہیں ــــ؟

اور جب ہم دوسری زبانیں جیسے آکسفورڈ یونی ورسٹی کی وہ جو کتاب ہے، آدھی تو یاد ہوتی ہے سب کو کیوں کہ چار پیسے ملتے ہیں۔ چار پیسے کمانے سے اگر روٹی ملتی ہے تو اماں کے پیٹ میں نو مہینے آپ نے کھانے پینے کی کتنی تنخواہ دی؟ کم از کم تین سال جو بچہ کی بنیاد ہیں، اس وقت آپ نے ایک پیسہ خرچ نہیں کیا۔ ایک روپیہ نہیں کمایا۔ اب جب تھوڑی سی عقل آ گئی اور زبان بھی دوسرے کی پڑھ لی تو آپ کہتے ہیں کہ کام نہیں کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے!

کام کرنا اس لئے نہیں ہے کہ آپ کو رزق ملتا ہے، یہ اس لئے ضروری ہے کہ آپ کی مشینری میں زنگ نہ لگ جائے۔ ہاتھ باندھ دیجئے، ایک ہفتہ کے بعد کھولیے، ہاتھ سیدھا نہیں ہوگا۔ حرکت اس لئے ہے کہ یہ مشینری ہی حرکت والی ہے۔ حرکت ختم ــــ زندگی ختم!

آدمی مر گیا اس کے منہ میں دودھ ڈالیں، دودھ باہر آ جائے گا۔ اگر جسم اصل ہے تو یہ حرکت کیوں نہیں کرتا ــــ؟ اگر تار اصل ہے لیکن کرنٹ نہ آئے تو تار میں بجلی کیوں نہیں دوڑتی ــــ؟

غور کرنا چاہئے کہ زندگی ہے کیا ــــ؟

خواب مرنے جیسی حالت ہے۔ پورا ایک آدمی جسم سے نکلتا ہے اور جسم یہاں پڑا ہوا ہے۔ وہ آدمی کھاتا پیتا ہے، شادی کرتا ہے، بچے بھی ہو جاتے ہیں۔ آنکھ کھلی تو پتہ چلا کہ گھڑی کی سوئی تو وہیں ہے، ایک منٹ بھی نہیں گزرا۔ یہ کیا ہے ــــ؟ یہی کہیں گے نا کہ وقت ٹھہر گیا۔ وقت کیا ٹھہرنے کی چیز ہے ــــ؟ مشین چل رہی ہے، پرنٹ نہیں آ رہا۔

کبھی غور کیا ہے کہ سونا جاگنا، بھوک لگنا اور رفع ہونا پھر بھوک لگنا اور رفع ہونا یہ سب کیا ہے، کیا ان پر آپ کا اختیار ہے ــــ؟

نیند سے اٹھایا جاتا ہے تو آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ ہم تو ساری دنیا کی سیر کر آئے ہیں۔ خواب میں قورمہ، تنجن یا پلاؤ کھانے کے بعد جب ہم بیدار ہوتے ہیں تو کیا ہاتھوں سے خوش بو نہیں آتی؟ وہم ہو جائے کہ کیڑے نے کاٹ لیا، جب آپ اٹھتے ہیں تو کیا جسم پسینہ میں شرابور نہیں ہوتا ــــ؟ الوژن کیا چیز ہے ــــ؟

جس عمل میں شک ہو، جس عمل میں یقین کی تکمیل نہ ہو، جس عمل میں ارادہ کی پختگی نہ ہو وہ سب الوژن ہے۔ جو چیز مستقل ردوبدل ہو رہی ہے کیا وہ حقیقت ہے ــــ؟ ایک دن کا بچہ، چھ دن کا بچہ، ایک سال کا بچہ، دس سال کا بچہ ــــ دس سال، ایک سال، چھ دن، ایک دن الوژن نہیں ــــ؟ آپ بوڑھے ہو گئے، بال سفید ہو گئے، دانت ٹوٹ گئے اور ہاتھ میں لاٹھی آ گئی، موٹے موٹے چشمے لگ گئے۔ کیا آپ کو شوق تھا کہ میری یہ حالت ہو؟ یہ نظام ہے ــــ ایک نظام ہے الوژن کا اور ایک نظام ہے یقین کا۔ یقین جہاں ہو گا، الوژن نہیں ہو گا اور جہاں الوژن ہو گا ــــ وہ یقین نہیں ہے۔

• • ——————— • •

وما ادرک ما علیین وما ادرک ما سجین ــــ آپ کیا سمجھے اعلیٰ وارفع زندگی کیا ہے؟ آپ کیا سمجھے پریشان حال زندگی کیا ہے ــــ؟ کتاب المرقوم، ایک لکھی ہوئی کتاب ہے جو آپ کے

اندر ہمہ وقت کھلی ہوئی ہے اور اس کے اوپر دو فرشتے قائم ہیں۔ ایک فرشتہ نیکیاں اور دوسرا برائیاں لکھتا ہے۔ یشھدہٗ المقربون ـــ اللہ کے دوست اس کتاب کو پڑھتے ہیں اور پڑھ کر وہ دیکھ لیتے ہیں کہ اس بندہ کی کتاب المرقوم میں کیا لکھا ہوا ہے۔

پیر ایک استاد ہے۔ پیر کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو پوجا جائے۔ نعوذ باللہ وہ اللہ کی کوئی مخصوص مخلوق نہیں ہے، آدمی ہی ہے لیکن ـــ فرق یہ ہے کہ وہ آدمی کے لباس میں دراصل انسان ہے ـــ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

انسان ایک ریکارڈ ہے اور آدمی کیا ہے؟ آدمی بھی ریکارڈ ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے علوم کا امین ہے۔ شیطان کا مطلب گم راہ، بہکانا، حکم عدولی کرنے والا، ناشکرا، ٹھکرایا ہوا۔ اگر ہم شیطان کی صفات استعمال کریں اور اللہ کے مقرب بندوں کے علوم کو نہ سیکھیں تو ہم کس گروپ کے لوگ ہیں ـــ؟ ایک آدمی حکومت کا وفادار ہے، دوسرا آدمی بغاوت کرتا ہے۔ کیا دونوں ایک گروپ کے ہو سکتے ہیں ـــ؟ کیا شیطان کا وفادار اللہ کے گروپ میں شامل ہو جائے گا ـــ؟

اب ہر آدمی اپنا تجزیہ کرے اس کے اندر وہ تمام صفات مل جائیں گی جو شیطان کی ہیں۔ اور جب وہ تلاش کرے گا اللہ کے مقرب بندوں کی صفات کیا ہیں تو ایمان داری سے بتایئے کیا ہمیں اللہ کے مقرب بندوں کی بات اپنے اندر نظر آتی ہے ـــ؟ اتنے لوگ بیٹھے ہیں کوئی تو ہاتھ اٹھائے۔ ہم برائی کو نیکی سمجھ کر قبول کرتے ہیں اور نیکی کو اس لئے چھوڑ دیتے ہیں کہ ہمیں اس میں نقصان نظر آتا ہے۔ کون سا نقصان ـــ؟ آپ سوچتے ہیں کہ اگر آپ کے پاس دس لاکھ روپے ہیں اور میں مر گیا تو اس میں سے کیا لے کر جاؤں گا۔ سب بتائیں ہماری کیٹگری جانوروں سے مل رہی ہے یا انسانوں سے؟ (حاضرین نے کہا: جانوروں سے)

تو پھر اپنے آپ کو انسان کیوں کہہ رہے ہیں، کیا یہ جھوٹ اور منافقت نہیں ہے ـــ؟

آج کی مجلس میں، میں نے کوشش کی ہے کہ ہم ادراک کریں کہ آدمی اور انسان میں فرق ہے۔ آدمی الگ، اور انسان الگ ہے۔ اگر ہمیں آدمی بن کر رہنا ہے تو ہماری حیثیت کتے بلی

کے علاوہ کچھ نہیں اور اگر انسان بن کے رہنا ہے پھر ہماری حیثیت اشرف المخلوقات کی ہے۔

• • ——————— • •

''یہ بدوی کہتے ہیں، کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہو تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے، ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔'' (الحجرات:۱۴)

دو کیٹگری ہو گئیں۔ ایک مسلمان ہونا، ایک مومن ہونا۔ زبان سے اقرار لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، بتوں سے بیزاری، اللہ کے علاوہ کسی کو خالق و مالک قرار نہ دینا ــــ اسلام ہے۔ ایمان کیا ہے ــــ؟ دروبست اس بات سے واقف ہو جانا کہ ہم پیدائش سے پہلے کہاں تھے، پیدائش کے بعد کہاں آئے اور پھر کہاں گئے ــــ یہ ایمان ہے۔ اس سے آپ کو اپنی اصل کا پتہ چلتا ہے کہ کہاں سے آئے، کس نے بھیجا، ہماری کیا ڈیوٹی ہے۔

اسلام کا مطلب سلامتی کے راستہ کا انتخاب ہے، جس میں خوف اور غم نہیں۔ اللہ کے جو دوست ہیں ان میں خوف اور غم نہیں ہوتا۔ اب کیا چیز باقی رہی ــــ؟ خوش رہنا۔ ہمیں یہ پسند ہے کہ ہم خوش، ہمارے بچے، ہمارے ماں باپ خوش رہیں۔ بچوں کے حقوق، والدین کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق ــــ سب خوشی کے راستے ہیں۔

• • ——————— • •

اللہ کیا کرتا ہے ــــ؟ خدمت خلق۔ وسائل کو استعمال کرنے کے لئے اسباب اللہ تعالیٰ پہلے سے پیدا کرتا ہے۔ اللہ اپنی مخلوق کو رزق دیتا ہے بے حساب۔ بے حساب کا کیا مطلب ہے ــــ؟ یعنی کسی بھی چیز کا معاوضہ نہیں ہے۔

اس مرتبہ جو ورکشاپ ہوئی ہے اس کا موضوع بہت اچھا تھا، لوگوں نے بہت پسند کیا لیکن میں نے دیکھا کہ اس موضوع کے وصول یا قبول کرنے میں ذہن نے ساتھ نہیں دیا۔ اس لئے ساتھ نہیں دیا کہ ہمارے لئے یہ نئی چیز تھی جب کہ ہمارے لئے یہ نئی چیز نہیں ہے۔

تمام آسمانی کتابیں یہی بتا رہی ہیں کہ اللہ رازق، مالک اور خالق ہے۔ اللہ ایک ہے،

مخلوق دو رخوں پر ہے۔ ماشاءاللہ اتنے سارے لوگ بیٹھے ہیں ہزاروں کی تعداد میں، آپ کبھی بھی اس بات کو شمار نہیں کر سکتے کہ یہ جو دو رخ ہیں، یہ کتنے ہیں اور اربوں کھربوں اشیا میں کسی ایک شے میں فرق آیا ہو۔ اگر خالی مرد ہو اور عورت نہ ہو ـــ عورت ہو مرد نہ ہو تو کیا تخلیق ہوگی؟

ماشاءاللہ لوگوں نے ورکشاپ کے موضوع کو سمجھنے کی بہت کوشش کی لیکن ابھی اس پر اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہر شے دو رخ پر بنی ہوئی ہے ـــ یہ ہم سب کے لئے ایسا سبق ہے کہ اس پر مسلسل غور کریں۔ نتیجہ سامنے آجائے گا کہ نیکی کیا ہے بدی کیا ہے؟ نیکی ہم کیوں کرتے ہیں، بدی کیوں کرتے ہیں۔ برائی سے کیوں بچنا چاہئے اور نیکی کیوں اختیار کرنی چاہئے۔ ان دو رخوں کو سمجھ لیا جائے تو شیطان مردود مایوس ہو جائے گا۔ غور تو کریں۔

جو کام آپ کر رہے ہیں، دیکھیں اس کا دوسرا رخ کون سا ہے۔ اچھا یا برا۔ اگر آپ کا ضمیر کہے نہیں یہ برا ہے، اس کو چھوڑنے کی کوشش کریں ـــ ضمیر کہے بہت اچھا ہے، اس کو مزید اپنانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو، راضی ہو آپ سب لوگ جو دور دراز سے تشریف لائے، سردی میں اتنی تکلیف آپ نے اٹھائی، اللہ تعالیٰ اس کا آپ کو اجر عطا فرمائے اور جو کچھ یہاں سنا یا سمجھا ہے، خود بھی کوشش کریں سمجھنے کی اور اپنے احباب کو دوستوں کو سمجھانے کی کوشش کریں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

★ محترم خواتین وحضرات! اس خطاب کی فوٹو کاپی کروا کر عوام الناس میں تقسیم کریں۔ (ادارہ ''ماہنامہ قلندر شعور'')

پچیسویں روحانی ورکشاپ کی رپورٹ

امام سلسلہ عظیمیہ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے چالیسویں عرس کی تین روزہ تقریبات مرکزی مراقبہ ہال کراچی میں منعقد کی گئیں جس میں پاکستان کے مختلف شہروں اور بیرون ملک سے زائرین کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

عوام الناس میں تفکر کی صلاحیت کو جلا بخشنے اور سوچ کو ایک مرکز پر لانے کے لئے ہر سال حضور قلندر بابا اولیاؒ کے عرس کے موقع پر بین الاقوامی روحانی ورکشاپ کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ سال 2019ء میں پچیسویں روحانی ورکشاپ منعقد کی گئی جس کا موضوع ''اسلام اور ایمان'' تھا۔ ورکشاپ میں پاکستان، برطانیہ، امریکہ، کینیڈا، روس، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قبرص اور آسٹریلیا سے 1250 خواتین وحضرات نے شرکت کی۔

ان خواتین وحضرات میں 9 پی ایچ ڈی، 276 ماسٹرز اور ڈبل ماسٹرز، 513 گریجویٹ اور 452 انڈر گریجویٹ تھے۔ ان تمام افراد کا تعلق زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے جن میں تعلیم و تدریس، طب، تجارت و کاروبار، انجینیئرنگ، انفارمیشن ٹیکنالوجی، قانون اور زراعت شامل ہیں۔

روحانی ورکشاپ میں نونہالوں اور پندرہ سال سے کم عمر بچوں کے لئے بھی نشستوں کا اہتمام تھا، بچوں کی تعداد 210 تھی۔ علاوہ ازیں آن لائن مذاکرہ کی سہولت بھی موجود تھی جس میں شامل خواتین وحضرات کی تعداد 38 تھی۔

روحانی ورکشاپ میں گفتگو کے معیار کو برقرار رکھنے کے لئے پاکستان کے ممتاز اداروں کے اراکین پر مشتمل آبزرونگ کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جو مذاکرہ کے جائزہ کے بعد پہلی، دوسری اور تیسری پوزیشن کا تعین کرتی ہے۔

عرس کی دیگر تقریبات میں زائرین کے لئے علمی اسٹالز اور دستاویزی فلموں (ڈاکومینٹریز) کا اہتمام کیا گیا جس میں بچوں اور بڑوں نے مختلف پہلوؤں سے سلسلہ عظیمیہ کی تعلیمات کو پیش کیا۔

27 جنوری کی صبح پاکستان اور بیرون ملک سے آئے ہوئے زائرین خواتین وحضرات نے ابدال حق قلندر بابا اولیاؒ کے مزار پر حاضری دی، فاتحہ خوانی کی اور پھولوں کی چادر چڑھائی۔

عرس کی مرکزی تقریب 27 جنوری 2019ء کو منعقد ہوئی جس میں خانوادہ سلسلہ عظیمیہ حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب نے ہزاروں زائرین سے خطاب فرمایا۔ تقریب کو لائیو اسٹریمنگ کے ذریعے کئی ممالک میں دیکھا اور سنا گیا۔

فقیر کی ڈاک

تفکر — ذہن کی دنیا میں داخل ہونے کا راستہ ہے۔ غور و فکر سے خیال کی گہرائیاں روشن ہوتی ہیں۔ گہرائی میں تخلیقی رموز کے خزینے ہیں جن تک رسائی — عرفان نفس اور معرفت الٰہی ہے۔ ’فقیر کی ڈاک‘‘ اذہان کی آبیاری ہے جس میں مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب ذہن کی پرتوں کو کھول کر لاشعور کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ماضی کے اوراق میں سے ایک خط پیش خدمت ہے۔

محترم عظیمی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

جاننا چاہتا ہوں کہ خواب کی دنیا کتنی حقیقی ہے اور وہاں کے حالات و واقعات کا بیداری کی دنیا سے کیا تعلق ہے؟ آپ نے ایک تحریر میں جنات کو نوع آدم سے زیادہ ہم درد اور غم خوار فرمایا ہے۔ وہ ہم سے زیادہ ہم درد کس طرح ہیں جب کہ ہم اشرف المخلوقات ہیں —؟ شکریہ۔ نیازمند، جمال

جمال صاحب — وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ،

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں اللہ نے خواب کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام ابھی زندان میں تھے کہ بادشاہ نے خواب میں دیکھا،

’’سات موٹی گائیں ہیں اور سات دبلی گائیں جو موٹی گائیوں کو نگل گئیں اور سات سرسبز
و شاداب بالیں ہیں اور سات خشک جنہوں نے سات سرسبز و شاداب بالوں کو کھالیا۔‘‘

بادشاہ اس عجیب و غریب خواب سے پریشان اور حیران تھا۔ درباریوں سے خواب بیان کیا اور تعبیر جاننا چاہی۔ درباری اس خواب کو سن کر فکر اور حیرانی کے عالم میں گرفتار ہو گئے۔ وہ خواب کی تعبیر بیان نہیں کر سکے اور اپنی درماندگی اور بے چارگی کو چھپانے کے لئے کہا،

’’بادشاہ! یہ خواب نہیں ہے بلکہ پریشان خیالی ہے۔ ہم سچے خواب کی تعبیر تو دے سکتے
ہیں مگر خیالات کا حل ہمارے پاس نہیں ہے۔‘‘

بادشاہ جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ اس اثنا میں بادشاہ کے دربار میں ساقی کو اپنا خواب اور حضرت یوسف علیہ السلام

کی تعبیر یاد آ گئی۔ ساقی نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں اس کی تعبیر لا سکتا ہوں۔

بادشاہ کی اجازت سے وہ اسی وقت قید خانہ پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو بادشاہ کا خواب سنا کر عرض کیا، اس خواب کا تجزیہ کیجئے۔ آپ سچائی اور تقدس کے پیکر ہیں۔ آپ ہی اس کو حل کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے،

''کہا یوسف نے تم لگاتار سات برس کھیتی کرو گے۔ اپنے استعمال کے علاوہ سب کی سب بالوں کو محفوظ کر دو۔ اس کے بعد سات برس سختی کے آئیں گے جن میں کوئی فصل نہ ہوگی۔ اس وقت یہ محفوظ غلہ تمہارے کھانے کے کام آئے گا۔'' (یوسف: ۴۷۔۴۸)

اس خواب سے جہاں خواب یا خواب میں دیکھے ہوئے حالات کی تائید ہوتی ہے وہاں یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ خواب مستقبل کی نشان دہی کرتا ہے جس کو ہم غیب کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔

انسان خواب اور بیداری کے حواس کا مجموعہ اس لئے ہے کہ اس کے ساتھ غیب کے حواس چپکے اور لپٹے ہوئے ہیں۔ اگر انسان کے اندر خواب کے حواس یا مستقبل کے حالات سے متعلق تحریکات نہ ہوتیں تو انسان کبھی بھی مستقبل میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اگر بیداری کے حواس خواب کے حواس سے زیادہ ہوتے تو انسان خواب کی دنیا (جنت، دوزخ) میں اپنے ارادہ کے تحت اپنے لئے کوئی مقام منتخب نہیں کر سکتا تھا۔

جنات کو انسانوں سے زیادہ ہم درد اور غم خوار کہنے سے انسانوں کی ہرگز توہین نہیں ہوئی کیوں کہ فی الواقع ایسا ہی ہے اور یہ بات کہ انسان اشرف المخلوقات ہے تو اس حیثیت میں وہی انسان جنات سے اشرف ہیں جو اشرف المخلوقات کے دائرہ میں قدم رکھ چکے ہیں۔ عام انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں ہے اور اس کی تائید قرآن پاک سے اس طرح ہوتی ہے۔ اللہ فرماتے ہیں،

''زمین پر چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں اڑنے والے کسی پرندہ کو دیکھ لو یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں۔'' (الانعام:۳۸)

دعا گو، عظیمی (18 جولائی 1987)

ہر فرد جانتا ہے کہ جب ہوا تیز چلتی ہے تو انسان کے جسم پر ہوا کے اثرات براہ راست مرتب ہوتے ہیں۔ یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز جسم سے ٹکرا کر گزر رہی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شے نظر آتی ہو یا نظر نہ آتی ہو، اس کی شکل وصورت ہے، اس میں وزن ہوتا ہے، اس میں طاقت ہوتی ہے۔ اسی طاقت سے آدمی اور دوسری مخلوق متاثر ہوتی ہے۔ اگر انسان کوشش کرے یا ایسے حالات اس کے ساتھ پیش آ جائیں جن حالات کی بنا پر وہ یک سو ہو جائے تو اس کے اندر چھٹی حس بیدار ہو جاتی ہے۔ (شرح لوح وقلم)

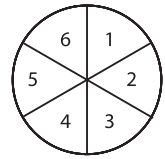

نامے میرے نام

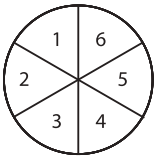

خواتین وحضرات قارئین — السلام علیکم، ذہن میں ''ماہنامہ قلندر شعور'' کے مطالعہ کے بعد کوئی ایسا خیال آتا ہے جس کا جواب نہ ملنے سے تشنگی بڑھ جاتی ہے۔ آپ لکھئے — اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ انشاءاللہ جواب شائع کیا جائے گا۔

ندیم یاسر (لاہور): حامل علم لدنّی ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کے چالیسویں عرس مبارک پر حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ دل مطمئن اور باغ باغ ہوگیا۔ پچیسویں روحانی ورکشاپ کا موضوع بہترین اور موقع کی مناسبت سے رکھا گیا۔ ہم مذہب کی تعلیمات سے دور ہوگئے ہیں اس لئے ہمیں اسلام کا پتہ ہے نہ ہم ایمان کے مفہوم سے واقف ہیں۔ عرس کے دوران علمی وادبی سرگرمیاں ایک طرف دور رہنے والوں کی تشنگی کو کم کرتی ہیں اور دوسری طرف بڑھا دیتی ہیں۔ دعا ہے کہ گلستان عظیمی مہکتا رہے۔

رخسانہ جبین (ساہیوال): 27 جنوری کی شب عظیمی صاحب کا خطاب پورے سال کے لئے تربیتی مشق ہے۔ ان کے بصیرت افروز کلمات سنے اور دل نے کہا کہ غیب ظاہر غیب کی حقیقت سمجھا کر یہ آواز ہر فرد کو روز ازل میں لے جانا چاہتی ہے تاکہ ہم دنیا کی بے ثباتی سے واقف ہوکر جس ہستی کو ثبات ہے، اس سے واقف ہوجائیں۔

حفیظ طاہر (کراچی): جنوری 2019ء کے شمارہ میں مضمون ''میں وہی کشتی ہوں جس کا ناخدا دیوانہ ہے'' بے حد پسند آیا۔ قلندر باباؒ کی غزل ''عشق ہی میرا سفر ہے عشق ہی کا شانہ ہے'' راز و نیاز ہے جسے عشاق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

سنبل لطیف (حیدرآباد): ابدال حق حضور قلندر بابا اولیاؒ کی شان میں منقبت کا انتخاب اچھا تھا۔ ادارہ ہمیشہ جدت کو مدنظر رکھتا ہے۔ قمر یزدانی صاحب کے کلام میں ادارہ کی جانب سے مصرع تاریخ کی وضاحت اس کی ایک مثال ہے۔ گیارہ زبانوں میں خانوادہ سلسلہ عظیمیہ کی تحریر کا ترجمہ جنوری کے رسالہ کی شان ہے۔

محمد عمر (اسلام آباد): آپ کا بہت شکریہ کہ ''مرشد کی باتیں'' بہت خوب صورت کتاب کی صورت میں شائع کردی گئی۔ سرورق عمدہ اور رنگ نفیس ہے۔ اقساط کے عنوانات پسند آئے۔ جن دوستوں نے میرے ہاتھ میں کتاب دیکھی،

وہ خریدنے پہنچ گئے۔ دعا ہے کہ مرشد کریم کی باتیں گھر گھر پہنچیں۔

احمد شاہ (مردان): جنوری 2019ء میں مضامین کا انتخاب عمدہ ہے۔ آدمی کس مضمون کی تعریف کرے اور کسے چھوڑ دے۔ ''سروے ــــ ایک لاکھ سال'' کی توجیہ میرے لئے نئی تھی۔ خالدہ زبیر صاحبہ کے مضمون میں یہ الفاظ کہ ''ہر یاد ایک خوش بو ہے'' دل پر نقش ہو گئے۔ محمد علی ضیا صاحب کا مضمون ''رنگ اور پرزم'' پڑھا، ان کو باقاعدگی سے لکھنا چاہئے۔ تمام لکھنے والوں کو مبارک باد۔

عبید رانا (لاہور): عابد محمود صاحب کی تحریر ''ادھورا'' کی پہلی قسط پڑھ کر میں رو دیا۔ ان جملوں نے دل دہلا دیا کہ ''ماں نے کانپتے ہاتھوں سے نادر کا ہاتھ گرو کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا، میں اللہ کے نام پر اپنا لخت جگر تمہارے حوالہ کر رہی ہوں۔ اس کا دھیان رکھنا۔ اسے لے کر کہیں دور چلی جاؤ۔ اتنی دور کہ ناصریا میں اس کی دھول کو بھی نہ پا سکیں۔ ماں کے لہجہ میں کرب تھا'' احساس ہوا کہ ہم جیسے لوگوں کے رویوں کی وجہ سے گھر والے ان کو نکالنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اگلی اقساط کا منتظر ہوں پھر یہ تحریر فوٹو کاپی کروا کر دیگر لوگوں کو دوں گا۔

محمد کاشف (کراچی): جنوری کے شمارہ کے ''مرشد کی باتیں'' میں مرید نے مرشد کریم کے قرآن کی تفہیم کے طریقہ سے متاثر ہو کر ''الارض فراشا'' کی جو تشریح کی، میں بہت متاثر ہوا۔ ایسی باتیں ہمارے ذہنوں میں کیوں نہیں آتیں ــــ؟ قرآن کریم کے اس ایک لفظ میں زمین کا پورا علم ہے۔ دعا کیجئے کہ ہمارا ذہن بھی کھل جائے۔

محمد عاشق (ایبٹ آباد): ہماری ڈیوٹی اس طرح کی ہے کہ میں پوری طرح رسالہ کو وقت نہیں دے پا رہا۔ بہت دل کرتا ہے کہ سرورق پر لکھوں اور رسالہ میں جو سوال پوچھے جاتے ہیں، ان کے جواب بھیجوں لیکن وقت کی کمی کے سبب اور اب ڈاک خانہ بھی بہت دور ہے، حاضری نہیں دے پاتا۔ جنوری کے شمارہ میں فیصلہ نہیں کر سکا کہ کون سا مضمون پہلے اور کون سا دوسرے نمبر پر ہے۔ مضمون ''تیس کروڑ لوح محفوظ'' پڑھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہر عالم کے انسان اس عالم کے انسانوں سے الگ ہیں؟

★ جنوری 2019ء کے شمارہ میں وضاحت موجود ہے۔

فیصل شاہد (کراچی): شہنشاہ ظرافت ملا دوپیازہ کی سوانح حیات پڑھتے ہوئے آدمی ہنسے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر فرد میں حس ظرافت نہیں ہوتی۔ میں بھی لوگوں کو ہنسانا چاہتا ہوں لیکن حس ظرافت کیسے بیدار ہو؟ کہتے ہیں کہ دوسروں کو ہنسانے والوں کے دل اندر سے ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ کوئی ٹوٹے دل کے ساتھ لوگوں کو کیسے ہنسا سکتا ہے؟ مجھے

لگتا ہے کہ دوسروں کو وہی ہنسا سکتا ہے جو خود پر ہنسنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ بہر حال مضمون اچھا اور ہلکا پھلکا ہے۔

شکیل اعوان (متحدہ عرب امارات): انگریزی سیکشن میں ''دی ڈائری آف برڈز'' میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ فقیر کی ڈاک جوار دو میں شائع کی جارہی ہے، اسے انگریزی میں بھی شائع کیا جائے۔

پروفیسر محمد طاہر (چنیوٹ): جنوری میں ''تخلیق کائنات کے رموز'' میں لکھا ہے کہ ''یہ میکانزم ایسے سیاہ نقطوں سے بنا ہے جو کائنات کی اصل ہیں۔ ان سیاہ نقطوں کو تجلی کہتے ہیں۔'' سوال یہ ہے کہ نقطوں سے تجلی تک کا سفر کیسے طے ہو — ؟ مضمون ''مرشد کی باتیں'' میں ہے کہ، ''اندر میں سے آواز آئی چیزوں پر رنگ غالب ہیں۔'' سوال یہ ہے کہ اندر کی آواز سنائی کیوں نہیں دیتی — ؟ کیا اندر کی آواز میں بھی رنگ غالب ہیں — ؟ مضمون میں قرآن کریم کو پڑھنے کے طریقہ پر عمل کیا، اعلیٰ طریقہ ہے۔ رسالہ میں ایک اور مضمون کی یہ سطر بہت اچھی لگی، ''نفی وہ باطنی مقام ہے جہاں اسپیس نا قابل پیمائش ہوتی ہے۔'' سوال بہت ہیں، بس اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ،

فقط اس شوق میں پوچھی ہیں ہزاروں باتیں　　میں ترا حسن تیرے حسن بیاں تک دیکھوں

رابعہ میمن (جامشورو): مضمون ہو یا کلام — رسالہ میں ادب اور معیار کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ جیسے کہ اعجاز گل صاحب کا کلام جنوری کے شمارہ میں شائع ہوا۔ چند اشعار لکھ رہی ہوں۔

درکھول کے دیکھیں ذرا ادراک سے باہر　　یہ شور سا کیسا ہے میری خاک سے باہر
خوش آیا عجب عشق کو یہ جامۂ زیبا　　نکلا نہیں پھر ہجر کی پوشاک سے باہر
موجود خلا میں ہیں اگر اور زمینیں　　افلاک بھی ہوں گے کہیں افلاک سے باہر

ڈاکٹر ماسٹر محمد سلیم (سیالکوٹ): میں نے جنوری 2019ء کا ''ماہنامہ قلندر شعور'' پڑھا ہے۔ روحانیت کی سائنسی بنیادوں پر وضاحت اور حضور قلندر بابا اولیاؒ کی قرآنی آیات کی تشریحات پڑھ کر بندہ کو روحانی بالیدگی و تازگی ملی۔

شائزہ عادل (ملتان): ''فرد سکون سے محروم کیوں ہے — ؟'' مضمون شائع ہوا۔ سوال یہ ہے کہ وجہ جان کر بھی ہم اس پر عمل کیوں نہیں کرتے — ؟ جب کہ ہم ناخوش رہنا نہیں چاہتے۔ میں نے سوچا کہ کیا ملکیت کا احساس ہی شیطنت ہے؟ یقیناً! جب ہم دنیا میں آئے تو ساتھ کیا لے کر آئے اور جب یہاں سے جائیں گے تو ساتھ کیا لے کر جائیں گے — ؟ ناخوش رہنے والا خوش رہنا نہیں چاہتا، اس لئے ناخوش ہے۔

انیقہ احمد (کراچی): بچوں کی کہانیاں میرے بچے بہت شوق سے سنتے ہیں۔ جب سے ''اولی الالباب بچے''

شروع ہوا ہے، ان کی دل چسپی بڑھ گئی ہے۔ جنوری 2019ء میں گراف پیپر کی مشق میرے بچوں نے بہت شوق سے کی۔ وہ جس چیز کو دیکھتے، مجھ سے پوچھتے ہیں کہ اماں کیا یہ بھی گراف پر بنا ہے، اس کا گراف کہاں ہے؟ بیٹے نے ہاتھ کی لکیریں دیکھیں اور کہا کہ مجھے گراف پیپر مل گیا۔ بچوں کی عمر سات اور آٹھ سال ہے۔

★ ——————— ★

جنوری 2019ء میں حضور قلندر بابا اولیاؒ کی تحریر ''تخلیق کائنات کے رموز'' پر منتخب تفکر:

محمود شاہ (نوشہرہ): ابدال حق آدمی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''وہ راحت کو نہیں چھوڑتا اس لئے راحت کے ضائع ہونے کا خوف وملال بھی اس کے دل سے نہیں نکلتا۔'' جب ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ خوشی ہم سے روٹھ نہ جائے تو ایسی خوشی کیا خوشی جس کے ساتھ ہر وقت خوف منسلک ہو! غمگین ہونے کی وجہ یہی ہے۔ یعنی خوشی کے ساتھ کھو جانے کا ڈر ہر لمحہ موجود ہے اس لئے جس کے پاس خوشی ہے وہ بھی خوش نہیں۔

عائشہ تبسم (لاہور): ابدال حق فرماتے ہیں کہ ''انسانی حواس جب کسی نقطہ پر ٹھہرتے ہیں تو اس ٹھہراؤ کا نام شے ہے۔'' سوال یہ ہے کہ اگر نگاہ کا ٹھہرنا شے ہے تو پھر شے کا وجود کیا ہوا—؟

عمیمہ صادق (کراچی): جب تک فرد خود کو خود سے الگ نہیں دیکھتا، وہ دیکھ نہیں سکتا۔ جیسے وہ کہتا ہے کہ میری آنکھ۔ یعنی وہ آنکھ کو خود سے الگ سمجھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب آنکھ جسم کا حصہ ہے تو جسم سے الگ کیسے ہوئی۔

زبیر محسن (کراچی): ایک ہی چراغ کی روشنی میں زید اور محمود کا خود کو ایک دوسرے سے الگ سمجھنا اسپیس کی وجہ سے ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جس روشنی میں ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، ہم اس روشنی کو بھی خود سے الگ سمجھتے ہیں۔ وجہ اس بات سے لاعلمی ہے کہ ہم خود بھی روشنی ہیں، ہم الوژن پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں۔

شاہدہ بیگم (لاہور): حضور قلندر باباؒ فرماتے ہیں، ''اصولاً جب حواس کسی طرف اشارہ کرتے ہیں تو اندرونی خدوخال کو بیرونی بنا دیتے ہیں۔'' بات کرنے کی یہ طرز آدمی نے کہاں سے سیکھی؟ ہم اپنے اندر موجود چیز کو باہر کیوں سمجھتے ہیں؟ مجھے تو یہ جواب سمجھ میں آیا ہے کہ شکل الگ ہونے کی وجہ سے ہم اسے اپنے اندر بھی خود سے الگ دیکھ رہے ہیں، اسی لئے الگ سمجھ رہے ہیں۔ کیا شکل مختلف ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہم سے الگ ہے یا شکل کا الگ ہونا فریب ہے۔ خود سے الگ سمجھنے کی وضاحت آپ نے گذشتہ شماروں کے ''آج کی بات'' میں فرمائی ہے لیکن تحریر میں گہرائی کی وجہ سے سمجھنا مشکل ہے۔

ماخوذ

حضرت محمد رسول اللہؐ

معراج میں حضور اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ نے خلوت خاص میں ملاقات کا شرف بخشا۔ تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کرنے میں رسول اللہؐ کی پلک جھپکی اور نہ نگاہ حد سے بڑھی۔

رسول اللہؐ کے بارے میں قرآن میں بشارتیں:

''جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے تو انہوں نے دعا کی کہ اے ہمارے رب! اس خدمت کو قبول فرما بلاشبہ تو سننے اور جاننے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار رکھ اور ہماری اولاد کو بھی فرماں بردار بنا۔ اور اے رب الرحیم! ہم کو جملہ آداب عبادت سکھا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو معاف کرنے اور رحم فرمانے والا ہے اور ان لوگوں میں ان ہی کی قوم سے ایک رسول مبعوث فرما جو پڑھے ان پر تیری آیتیں اور سکھائے ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں اور ان کو سنوارے۔ تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔'' (البقرۃ:۱۲۷۔۱۲۹)

''عیسیٰؑ بن مریمؑ نے کہا، اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، میں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے تصدیق کرتا ہوں اور میں اس رسولؐ کی تم کو بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد آئے گا اس کا نام 'احمد' ہوگا۔'' (الصّف:۶)

''اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ میں تم کو جو کتاب اور حکمت عطا کروں اور پھر تمہارے پاس وہ پیغمبر آئے جو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہیں، تم ضرور اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔ اللہ نے فرمایا، کیا تم اس عہد کا اقرار کرتے ہو اور اس کو میرا اہم عہد سمجھ کر قبول کرتے ہو؟ انہوں نے کہا، بے شک ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا اب تم اس عہد پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ بنتا ہوں۔'' (اٰل عمرٰن:۸۱)

''(پس میں ان کے لئے رحمت لکھ دوں گا) جو رسولؐ کی پیروی کریں گے۔ وہ نبی امّی ہوگا اور اس کے ظہور کی خبر وہ اپنے یہاں تورات اور انجیل میں بھی پائیں گے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا اور پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا اور ناپسندیدہ چیزیں حرام ٹھہرائے گا، اور اس بوجھ سے نجات دے گا جس کے تلے وہ دبے ہوں گے، اور ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہوں گے۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کے مخالفوں کے لئے روک ہوئے، اس کی مدد کی اور اس روشنی کے پیچھے ہوئے جو اس کے

ساتھ بھیجی گئی ہے، سو وہی کام یابی پانے والے ہیں۔
اے پیغمبر! تم لوگوں سے کہو، اے لوگو! میں تم سب کے لئے اللہ کا رسول ہوں اور وہ اللہ ہے، آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت اسی کے لئے ہے، کوئی معبود نہیں مگر وہ ایک ذات، وہی جلاتا ہے، وہی مارتا ہے۔ پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول اور نبی امّی پر جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتا ہے، اس کی پیروی کرو تاکہ کام یابی کی راہ تم پر کھل جائے۔''
(الاعراف: ۱۵۷۔۱۵۸)

''اور کیا حال ہوگا اس دن جب ہم ہر امت میں سے ان پر گواہ طلب کریں گے اور ہم تم کو ان سب پر گواہ بنائیں گے۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور رسول کی نافرمانی کی وہ اس دن یہ پسند کریں گے کہ کاش زمین ان کے اوپر برابر ہو جائے۔ اور اس دن یہ اللہ سے کوئی بات بھی مخفی نہ رکھ سکیں گے۔'' (النسآء: ۴۱۔۴۲)

''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ منکروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم خو ہیں۔ تو ان کو دیکھے گا جھکنے، سجدہ کرنے والے اور اس طریقہ سے اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے خواہش مند ہیں۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہروں پر سجدہ کے نشانات ہیں۔ تورات اور انجیل میں ان کا ذکر اسی طرح ہے۔'' (الفتح: ۲۹)

سیدنا حضورؐ کی نبوت و رسالت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ نبیؐ ساری دنیا کے لئے واحد مذہب دین ''اسلام'' لے کر تشریف لائے۔

''ہم نے تجھے تمام انسانوں کے لئے بشارت دینے والا، خبردار کرنے والا بنا کر دنیا میں بھیجا۔'' (سبا: ۲۸)

''اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو روشن دلائل اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ سب دینوں پر غلبہ حاصل کرے۔'' (الصّف: ۹)

''ہم نے تجھے تمام اہل عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (الانبیآء: ۱۰۷)

''اللہ کا رسول بہترین نمونہ ہے۔ ان سب کے لئے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرتے ہیں۔'' (الاحزاب: ۲۱)

''ہم نے تیرے ذکر کو رفعت عطا کی۔'' (الم نشرح: ۴)

''آپؐ خلق عظیم کے مالک ہیں۔'' (القلم: ۴)

''جیسا بھیجا ہم نے تم میں رسول، تم ہی میں سے، پڑھتا تمہارے پاس آیتیں ہماری اور تم کو سنوارتا اور سکھاتا کتاب اور حکمت اور سکھاتا تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔'' (البقرۃ: ۱۵۱)

''محمدؐ باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔'' (الاحزاب: ۴۰)

''اور یقیناً یہ جہانوں کے پروردگار کا اتارا ہوا ہے۔ اس کو روح الامین نے تیرے قلب پر اتارا تاکہ تو گم راہوں کو خبردار کرنے والوں میں سے ہو۔ یہ ہے

صاف عربی زبان میں اور اس کا ذکر پہلی کتابوں میں موجود ہے۔'' (الشعراء:۱۹۲۔۱۹۶)

''اور اللہ نے نازل کی تجھ پر کتاب اور کام کی بات اور تجھ کو سکھایا جو تو نہ جان سکتا تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔'' (النسآء:۱۱۳)

''یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ تجھے نرم خو بنایا۔ اگر تو درشت طبع، سخت دل ہوتا تو لوگ تیرے پاس سے بھاگ جاتے۔'' (ال عمران:۱۵۹)

''میری نماز، میری قربانی، میری زندگی، میری موت، اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام عالم کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے ایسا ہی بتانے کا حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلے اس حکم کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔'' (الانعام:۱۶۲۔۱۶۳)

''تو کہہ اگر تم کو تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور برادری اور مال جو تم نے جمع کیا، اور تجارت جس کے خسارہ کا تم کو ڈر رہتا ہے، اور محل جن میں بسنا تمہیں پسند ہے، وہ زیادہ پیارے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے۔ تب تم منتظر رہو کہ اللہ تمہارے لئے اپنا کوئی حکم دے اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو۔'' (التوبۃ:۲۴)

''کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھول دیا اور اتار رکھا تجھ سے بوجھ تیرا۔'' (الم نشرح:۱۔۲)

''تیرا رب تجھ کو اتنا کچھ دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔'' (الضحیٰ:۵)

''ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا۔'' (الکوثر:۱)

''جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔'' (الفتح:۱۰)

''تمہارے پاس ایک رسول آ گیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔ تمہارا رنج میں پڑنا اس پر بہت شاق گزرتا ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہش مند ہے۔ وہ ایمان والوں کے لئے شفقت رکھنے والا رحمت والا ہے۔ اگر اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں تو ان سے کہہ دو میرے لئے اللہ کا سہارا کافی ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے، مگر صرف اس کی ذات۔ میں نے اسی پر بھروسا کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔''
(التوبۃ:۱۲۸۔۱۲۹)

رسول اکرمؐ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ نے کئی کئی دن غار حرا میں قیام فرمایا۔ رمضان المبارک کے مہینہ میں جب آپؐ کی عمر شریف چالیس سال چھ ماہ تھی، پردۂ غیب سے حضرت جبرائیلؑ ظاہر ہوئے اور سورہ علق کی پانچ آیات تلاوت کیں۔

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔'' (العلق:۱۔۵)

معراج : نبوت کے بارہویں سال 27 رجب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندہ حضرت محمدؐ کو روحانی قرب عطا فرمایا اور جو دل چاہا باتیں کیں۔ اس رات اللہ کے محبوب بندہ حضرت محمدؐ نے مسجد حرام (مکہ) سے مسجد اقصیٰ تک سفر کیا۔ آپؐ نے بیت المعمور تک سیر کی اور اللہ کی نشانیاں ملاحظہ کیں۔

''قسم ہے تارے کی جب گرے، بہکا نہیں تمہارا رفیق اور بے راہ نہیں چلا۔ اور نہیں بولتا اپنے چاؤ سے، یہ تو حکم ہے جو پہنچتا ہے، اس کو سکھایا زبردست قوتوں والے نے، زور آور نے پھر سیدھا بیٹھا، اور وہ تھا اونچے کنارے آسمان کے۔ پھر نزدیک ہوا، اور خوب اتر آیا، پھر رہ گیا فرق دو کمان کا درمیان یا اس سے بھی نزدیک، پھر باتیں کیں اللہ نے اپنے بندہ سے جو باتیں کیں۔ جھوٹ نہ دیکھا دل نے جو دیکھا، اب تم کیا اس سے جھگڑتے ہو اس پر جو اس نے دیکھا۔ اور اس کو اس نے دیکھا ہے ایک اور مرتبہ۔'' (النجم: ۱۔۱۳)

پیغمبر اسلام سیدنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج میں ان حدود کو عبور کر لیا جس کے بارے میں جبرائیلؑ نے کہا، ''فروغ تجلی بسوزد پرم۔''

معراج میں حضور اکرمؐ کو اللہ تعالیٰ نے خلوت خاص میں ملاقات کا شرف بخشا۔ تجلیات الٰہی کا مشاہدہ کرنے میں رسول اللہؐ کی پلک جھپکی اور نہ نگاہ حد سے بڑھی۔ انبیائے کرام نے محمد رسول اللہؐ کی امامت میں نماز ادا کی۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ سے، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے، تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ

> اللہ نے یہ شان بڑھائی تیرے در کی
> بخشی ہے ملائک کو گدائی تیرے در کی
> پانے کو تو خورشید و قمر چرخ نے پائے
> کیا پایا اگر خاک نہ پائی تیرے در کی
> جنت نے اتارے تو بہت نور کے نقشے
> تصویر مگر ہاتھ نہ آئی تیرے در کی
> حوروں نے، ملائک نے، اجنہ نے، بشر نے
> کس کس نے کہاں بھیک نہ پائی تیرے در کی
> لے جائے گی اک دن مجھے طیبہ میں اڑا کر
> جس وقت ہوا جھوم کے آئی تیرے در کی
> (کلام: منور بدایونی)

سے، چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ، پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ سے، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ سے اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی۔

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں،

''میں جب وہاں سے رخصت ہونے لگا تو حضرت موسیٰؑ پر رقت طاری ہوگئی۔ میں نے رونے کا سبب دریافت کیا تو حضرت موسیٰؑ نے کہا، مجھے یہ رشک ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہستی کو جو میرے بعد مبعوث ہوئی یہ شرف بخش دیا کہ اس کی امت میری امت کے مقابلہ میں چند دو چند زیادہ جنت میں جائے گی۔ جب ساتویں آسمان پر پہنچا تو حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات ہوئی جو بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے جس میں نئے ستر ہزار فرشتے (ہر روز عبادت کے لئے) داخل ہوتے ہیں، انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔'' (قسط: ۳)

اقتباسات

''ماہنامہ قلندر شعور'' کو گلدستہ بنانے کے لئے قارئین کی کوششیں قابل قدر ہیں۔ قرآن کریم، آسمانی کتابوں، ملفوظات، تاریخ، انکشافات اور سائنسی فارمولے بھیج کر اس رسالہ کا حصہ بن سکتے ہیں۔ تحریر کم وبیش 120 الفاظ پر مشتمل ہو۔

یہ دنیا دوئی کی دنیا ہے۔ دنیا کا کوئی کردار دوئی سے آزاد نہیں ہے۔ موسم کا گرم وسرد میں تبدیل ہونا، خوشی کے اوپر غم کا سایہ اور غم کے اوپر خوشی کا غلبہ، عزت اور لمحہ بھر بعد بے عزتی، صحت بیماری، محبت نفرت، رات کا دن میں سے نکلنا اور دن کا رات میں داخل ہونا۔ یہ سب دوئیاں دراصل ہر کردار کے متضاد پہلو ہیں۔ دوئی کی دنیا میں جب تک اس تضاد کو نہیں سمجھا جائے گا کسی چیز کو سمجھنا ممکن نہیں ہے۔ ہر انسان پیدائش سے لے کر بڑھاپے تک تجربات کی ایک دستاویز ہے۔ دستاویز میں بھلائی سرایت کر گئی تو دستاویز قیمتی اور فائدہ مند ہے۔ رگ وپے میں برائی رچ بس گئی ہے تو دستاویز بھونڈی اور بھیانک ہے۔

(مرسلہ: رفیق حسین۔ کراچی، کتاب: کشکول)

جو شخص اپنے آپ کو پالیتا ہے اس کی باطنی دنیا آسمانوں کی طرح گہری اور درخشاں، خلا کی طرح وسیع اور جنت کے باغات کی طرح رنگین اور دل کو گرمانے والی ہوتی ہے۔ خود سے واقف ہونے والے کا ظاہر اور باطن ایک ہوجاتا ہے۔ وہ جو کچھ باطن کی دنیا میں دیکھتا ہے، وہی ظاہر میں نظر آتا ہے۔ باطن میں روشن مشعلوں کے ذریعے وہ دیکھتا ہے کہ اشیا اور حالات و واقعات کے سامنے سے پردے ہٹ گئے ہیں اور ہر شے جگ مگا رہی ہے۔ ہر صداقت انسان کے دل میں چنگاری کی مانند مخصوص چمک دمک کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور پھر بھڑک کر روشنی کے سیلاب میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ روشنی کی بدولت فرد ابدیت کا راستہ دریافت کر لیتا ہے، فاصلوں کے راز کو پالیتا ہے اور حیرانی وسرگردانی سے محفوظ ہوجاتا ہے۔

(مرسلہ: عبیداللہ۔ پشاور)

موت اور زندگی نام ہے انسانی صلاحیتوں اور اوصاف کا۔ ایک وصف زندگی ہے اور دوسرا وصف

موت۔اس زندگی سے پہلے ہم جہاں بھی تھے اس کو موت کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اس زندگی کو گزار کر دوسری زندگی کو اپنانے کا نام بھی موت ہے۔ انسانی زندگی کا وصف جس کا نام موت ہے سب کا سب غیب ہے۔ یہ وصف انسانوں کو زمانی اور مکانی قید سے آزاد ایسی کیفیات سے روشناس کراتا ہے جہاں انسان کا ارادہ حکم کی حیثیت رکھتا ہے۔انسان کی خواہش اگر یہ ہے کہ وہ سیب کھائے تو اس کے لئے صرف سیب کھانے کا ارادہ کر لینا ہی سیب کی موجودگی کا سبب بن جاتا ہے۔موت کی دنیا میں مظاہر وسائل کے پابند نہیں ہوتے ۔عالم قید و بند (دنیا) میں کوئی انسان اس وقت تک سیب نہیں کھا سکتا تاوقتے کہ سیب کو وجود میں لانے والے پورے وسائل بروئے کار نہ آ جائیں۔ یہاں تخم ریزی سے پھل بننے تک کے پورے مراحل سے گزرنا ضروری ہے۔

(مرسلہ: ہاجرہ خاتون، کتاب: ذات کا عرفان)

روح ایسا وجود ہے جس کے اندر پورے پورے خدوخال موجود ہیں۔خدوخال کی یہ موجودگی دراصل روح کی صلاحیت کی نشان دہی ہے۔ روح ایک مشین ہے یا ایسا کمپیوٹر ہے جس کی بے شمار ڈائیاں ہیں۔مختلف ڈائیوں میں جب مسالا ڈالا جاتا ہے تو ڈائی کے مطابق نئے نئے لباس میں نئی نئی صورتیں مظہر بن کر ہمارے سامنے آجاتی ہیں۔کبوتر کی شکل و صورت کی ڈائی میں پلاسٹک کا مسالا ڈالا جائے تو کبوتر بنے گا۔ پھول کی ڈائی میں مسالا ڈالا جائے تو پھول بنے گا۔علیٰ ہٰذا القیاس ڈائیاں مختلف ہیں، مسالا ایک ہے لیکن اس مسالے کی بنیاد پر ہر شکل مختلف بن رہی ہے۔

(مرسلہ: فاطمہ علی۔کراچی، کتاب: پیراسائیکلوجی)

ہم جس چیز کو ''وقت'' سمجھتے ہیں ، دراصل یہ وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے ہم لمحہ کا موازنہ دوسرے لمحہ سے کرتے ہیں ۔مثال کے طور پر جب ایک شخص کسی چیز کو تھپتھپاتا ہے تو اسے اس چیز سے مخصوص آواز سنائی دیتی ہے ۔ جب وہ اسی چیز کو پانچ منٹ بعد تھپتھپاتا ہے تو اسے ایک اور آواز سنائی دیتی ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ پہلی آواز اور دوسری آواز کے درمیان ''وقفہ'' ہے۔اس وقفہ کو وہ ''وقت'' کا نام دیتا ہے۔ جب وہ دوسری آواز سنتا ہے تو اس لمحہ پہلی آواز محض اس کے ذہن میں قائم ایک تصور یا خیال ہوتی ہے۔ گویا یہ اس کی یادداشت میں موجود معلومات کا ایک ذرّہ ہے۔آدمی وقت کے تصور کو اس لمحہ سے موازنہ کر کے جانچتا یا ناپتا ہے کہ جو لمحہ اس کی یادداشت میں موجود ہے ۔ اگر دماغ میں یہ موازنہ موجود نہ ہو تو وقت کا کوئی تصور موجود نہ ہو۔

(مرسلہ: صائمہ۔لاہور، کتاب: لافانی زندگی)

حامد ابراہیم

ابھی ــــ آتش فشاں سو رہے ہیں

دل چسپ بات یہ ہے کہ حتمی طور پر کسی آتش فشاں پہاڑ کو مردہ قرار دینے کا کوئی پیمانہ موجود نہیں کیوں کہ تجربات موجود ہیں کہ بعض مردہ قرار دیئے گئے آتش فشاں پہاڑ اچانک بیدار ہو گئے۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے،

''جب زمین اپنی پوری شدت کے ساتھ ہلا دی جائے گی اور زمین اپنے اندر کے سارے بوجھ نکال کر باہر ڈال دے گی۔'' (الزلزال: ۱۔۲)

قرآن کریم میں تفکر سے شعور کو وسعت ملتی ہے اور اسی مناسبت سے علم اور سمجھ عطا ہوتی ہے۔ کائنات میں کوئی شے یا عمل ایسا نہیں جس کی وضاحت قرآن کریم میں نہ ہو۔ جیسے کہ مذکورہ آیت پر تفکر کیا جائے تو علوم کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

زلزلہ کے معنی زور سے ہلا دینا کے ہیں۔ اوپر دی گئی آیت میں زمین کا شدت سے ہلنا بیان کیا گیا ہے۔ زمین کے اندر ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں کہ ان کے اثرات سطح زمین پر زلزلوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ زلزلوں کی ایک بڑی وجہ آتش فشانی عمل ہے۔

ماہرین ارضیات کے مطابق زمین کے بطن میں انتہائی گرم سیال مادہ موجود ہے جس کے گرد مختلف قسم کی ٹھوس تہیں کروی (موٹی رسی کی مانند) صورت میں لپٹی ہوئی ہیں۔ اوپری تہ قشر ارض کہلاتی ہے اور اس کے اوپر ہم چلتے، پھرتے اور سکونت اختیار کرتے ہیں۔ 1960ء تک ماہرین ارضیات متفق تھے کہ قشر ارض پرت در پرت منقسم ہے۔ یہ نظریہ ابھی تک قائم ہے۔ قشر ارض کی پرتیں tectonic plates کہلاتی ہیں۔ محققین نے انہیں 17 بڑے حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ یہ پلیٹیں ہمہ وقت متحرک ہیں۔ جہاں ایک پلیٹ دوسری پلیٹ کے اندر دھنس رہی ہے یا دوسری پلیٹ کے ساتھ رگڑ کھا کے ایک طرف سرک رہی ہے، وہاں شدید دباؤ کی وجہ سے سطح زمین کی چٹانوں نے پہاڑی سلسلوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔ پہاڑوں کی پیدائش سے متعلق یہ نظریہ حقیقت سے کتنا قریب ہے، یہ ایک الگ موضوع ہے۔ بہر حال باطنی علوم کے ماہرین نے پہاڑوں کی تخلیق اور نشوونما سے متعلق فارمولے بیان کئے ہیں۔

روحانی سائنس کا منبع مفروضات اور مادی حواس کے بجائے وحی کے علوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ روحانیت میں شک وشبہ اور تغیر کی گنجائش موجود نہیں۔

روحانی علوم کے مطابق پہاڑ باشعور مخلوق ہیں۔ یہ

پیدا ہوتے ہیں، جوان ہوتے ہیں اور سانس لیتے ہیں۔

عام خیال یہ ہے کہ پہاڑوں کا بنیادی مادہ ٹھوس اور جما ہوا ہے جب کہ قرآن کے مطابق پہاڑ جمے ہوئے نہیں بلکہ بادلوں کی طرح اڑ رہے ہیں۔

وضاحت ہوتی ہے کہ پہاڑوں کا بنیادی مادہ ٹھوس کے بجائے بادلوں کی طرح لطیف اور تصعیدی (اُڑ جانے والا۔volatile) خصوصیات کا حامل ہے۔ کسی غیر جانب دار محقق اور سائنس دان کے لئے یہ بات انقلاب آفریں دریافت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

پہاڑوں کی ایک قسم آتش فشاں پہاڑ ہیں جو وقفہ وقفہ سے زمین کے اندر ابلتا سیال یعنی لاوا اگلتے ہیں۔ لاوے کے ساتھ دھوئیں، گیس، راکھ اور گرد و غبار کے مرغولے برآمد ہوتے ہیں۔ جس مقام پر tectonic پلیٹیں آپس میں ٹکراتی یا رگڑ کھاتی ہیں، وہاں قشر ارض اور نچلی ٹھوس سطحوں میں دراڑیں پیدا ہوتی ہیں جو ابلتے ہوئے لاوے کے زون تک جا سکتی ہیں۔ چناں چہ لاوا ایسی ہی کسی دراڑ سے باہر نکلتا ہے۔ انتہائی گرم لاوا باہر کھلی فضا میں آ کر دہانہ سے مخروطی شکل میں پھیل کر جمتا رہتا ہے اور آتش فشاں پہاڑ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

زمین میں موجود سیال اور آتش فشانی نظام کے متعلق محققین کا خیال یہ بھی ہے کہ زمین کے اندر لاوے کے زون سے سطح زمین تک سرنگ نما سلسلوں (channels) کا جال پھیلا ہوا ہے۔ پلیٹوں کی حرکت کی وجہ سے جہاں سے کسی چینل کا منہ کھلتا ہے وہاں سے لاوا ابلنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ عمل اس قدر توانائی اور گڑگڑاہٹ کے ساتھ واقع ہوتا ہے کہ سطحِ زمین پہ زلزلے آ جاتے ہیں۔

جب تک آتش فشاں پہاڑ سے لاوا، گیسیں، راکھ اور گرد و غبار خارج ہونے کا عمل جاری رہتا ہے، انہیں بیدار (active) آتش فشاں کا نام دیا جاتا ہے۔ جب یہ عمل رک جائے تو اسے خوابیدہ (dormant) آتش فشاں کہتے ہیں۔ اگر خوابیدگی کا عمل زیادہ طویل ہو جائے تو ایسے پہاڑوں کو مردہ (extinct) آتش فشاں کہا جاتا ہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ حتمی طور پر کسی آتش فشاں پہاڑ کو مردہ قرار دینے کا کوئی پیمانہ موجود نہیں کیوں کہ تجربات موجود ہیں کہ بعض مردہ قرار دیئے گئے آتش فشاں پہاڑ اچانک بیدار ہو گئے۔ کسی آتش فشاں کو بیدار، خوابیدہ یا مردہ کہنے کی اصطلاحات محض صورت حال کا تعین کرنے کے لئے ہیں۔

کرۂ زمین پر دریافت ہونے والے آتش فشاں پہاڑوں میں زیادہ تعداد ان آتش فشانوں کی ہے جنہیں خوابیدہ قرار دیا گیا ہے۔ بظاہر یہ پہاڑ پرسکون ہیں لیکن ان کے دوبارہ پھٹنے کے اوقات معلوم کرنے کا کوئی طریقہ ایجاد نہیں ہوا اس لئے یہ اپنی نوعیت میں انتہائی خطرناک ہیں۔

کرۂ ارض پر آتش فشاں پہاڑوں کی زیادہ تعداد بحرالکاہل کے ساحلوں کے قریب دریافت کی گئی ہے۔ ان میں زیادہ تر خوابیدہ حالت میں ہیں۔

یہ علاقہ ایک کڑے کی شکل میں نیوزی لینڈ، آسٹریلیا، نیوگنی، ملائیشیا، انڈونیشیا، فلپائن، چین، کوریا، جاپان، مشرقی روس، کینیڈا، میکسیکو، وسطی امریکا اور جنوبی امریکہ کے تمام مغربی ساحلوں تک پھیلا ہوا ہے۔ درمیان میں ہوائی اور دوسرے جزائر بھی اس میں شامل ہیں۔ اس علاقہ میں بیدار اور خصوصاً خوابیدہ آتش فشاں پہاڑوں کی اتنی کثرت ہے کہ اسے آگ کے کڑے یا حلقۂ آتش (Ring of Fire) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

بحرالکاہل کے علاوہ زیادہ تر خوابیدہ اور نسبتاً کم تعداد میں بیدار آتش فشانوں کی بڑی تعداد بحر ہند، بحر اوقیانوس، بحیرہ روم اور تمام براعظمی علاقوں میں مختلف مقامات پر موجود ہیں۔

قارئین! ایسے گلوب جن پر بیدار اور زیادہ تر خوابیدہ آتش فشانوں کی نشان دہی کی گئی ہے، جب غور سے ان کا مطالعہ کیا جائے تو پہاڑوں کا مخصوص پیٹرن واضح ہوتا ہے جو کڑوں (rings) کی شکل میں ہے۔ محترم عظیمی صاحب رقم طراز ہیں،

''لاشعور دیکھتا ہے کہ پیتے کی طرح زمین پر گول کڑوں (ring) کی طرح پہاڑ ہیں — گول کڑوں (ring) کی طرح پہاڑوں نے زمین کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے — زمین مسلسل محوری اور طولانی گردش میں سفر کر رہی ہے — اس گردش کو پہاڑ کے گول کڑے کنٹرول کرتے ہیں — یہ پہاڑ میخوں کی طرح زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''تو کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے؟ آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اٹھایا گیا؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کیسے بچھائی گئی؟'' (الغاشیہ: ۱۷-۲۰)

''کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے زمین کو فرش بنایا، اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا۔'' (النبا:۶۔۷)

کرۂ زمین کے قیام اور مضبوطی کے لئے قدرت نے اس میں پہاڑ رکھے ہیں اور انہیں میخوں سے تشبیہ دی ہے۔ میخ کا مطلب یہ ہے کہ پہاڑ کا آدھا حصہ سطح زمین کے اوپر اور آدھا اندر ہے۔ اسی طرح پہاڑ کا توازن برقرار رہتا ہے، وہ ڈھلکتا نہیں۔ طبعیات کے مطابق زمین کو باندھ کر رکھنے والی شے کشش ثقل ہے جو ہر شے کو زمین کے مرکز کی طرف کھینچتی ہے۔ پہاڑی سلسلے زمین کو کڑوں کی شکل میں جکڑے ہوئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا کشش ثقل کا کڑے (ring) کے پیٹرن سے کوئی تعلق ہے؟ غیر جانب دار تفکر کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کے فضل اور رسول اللہؐ کی رحمت سے بندہ شے کی کنہ تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔

بحرالکاہل کا تقریباً تمام ساحلی علاقہ جسے آتشی کڑا (Ring of Fire) کہا گیا ہے، تقریباً 40 ہزار کلومیٹر (25 ہزار میل) طویل ہے۔ یہ کڑا سینکڑوں آتش فشاں پہاڑوں سے پُر ہے اور ان میں 80 سے 90 فی صد آتش فشاں ابھی سو رہے ہیں۔

وکی پیڈیا کے مطابق یہاں 452 آتش فشاں ہیں جو دنیا کے کل بیدار اور خوابیدہ آتش فشاؤں کا 75 فی صد سے زائد ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کسی بھی لمحہ بیدار ہو سکتے ہیں اور ان کے بیدار ہونے سے بڑے پیمانہ پر ماحولیاتی و جغرافیائی تبدیلیاں آ سکتی ہیں۔

دنیا بھر میں زیادہ تر زلزلے اور سونامی اس علاقہ میں ریکارڈ کئے گئے ہیں۔ دنیا کے کل 90 فی صد زلزلے اور بڑے زلزلوں میں سے 81 فی صد اس خطہ میں آتے ہیں۔

ماہرین ارضیات (Geology) کے مطابق اس کی وجہ بحرالکاہل کی پلیٹ (Pacific Plate) کا دیگر پلیٹوں کے ساتھ رگڑ کھانا اور ٹکرانا ہے۔

سال 2018ء آتش فشاں پھٹنے اور زلزلوں کی تعداد کے حوالہ سے نمایاں رہا۔ جنوری 2018ء میں فلپائن کے کوہ مایون کے پھٹنے کا عمل شروع ہوا اور تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔ فروری میں انڈونیشیا کا کوہ سنا بنگ (Sinabung) پھٹا اور دھوئیں کے بادل وسیع و عریض علاقہ میں پھیل گئے۔ جون 2018ء میں گوئٹے مالا میں آتش فشاں پھٹنے سے 100 سے زائد اموات ہوئیں۔ محققین کے مطابق زمین پر کسی بھی لمحہ اوسطاً دس سے بیس کی تعداد میں آتش فشاں پھٹنے کا عمل وقوع پذیر ہو سکتا ہے۔

بعض خوابیدہ آتش فشاں ایسے ہیں جو اگرچہ طویل عرصہ سے پرسکون ہیں لیکن ماہرین کے خیال میں ان کے پھٹنے سے کرۂ ارض پر انقلابی، ماحولیاتی اور جغرافیائی تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔

ایسے آتش فشاں جو ایک ہزار مکعب کلو میٹر (240 مکعب میل) سے زیادہ لاوے اور دوسرے مواد پہ مشتمل مادہ کا حجم خارج کریں، عظیم آتش فشاں (super volcano) کہلاتے ہیں۔

امریکی ریاست وایومنگ کے Yellowstone نیشنل پارک میں موجود Yellowstone Caldera بہت بڑا نشیب ہے۔ یہ دراصل ایک عظیم آتش فشاں کا دہانہ ہے، جہاں سے نیچے زمین کے مرکزی حصہ تک جانے والا لاوا چینل موجود ہے۔

البتہ جو بات تعجب خیز اور دل چسپ ہے وہ اس دہانہ کے نتیجہ میں قشرارض سے تھوڑے فاصلہ پر موجود انتہائی حرارت کا ایک مقام ہے۔ یہاں سے میگما اوپر آکر ذخیرہ کی صورت میں اکٹھا ہو گیا ہے۔ اسے زیر زمین لاوے کی ایک جھیل سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ لاوے کے اس بڑے ذخیرہ کے عین اوپر موجود زمین کا ٹکڑا نیچے دھنس گیا ہے جس نے بڑے دہانہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔

ماہرین کے مطابق اس دہانہ کے بننے کا عمل، پچھلے ہزار سال میں رفتہ رفتہ انجام پایا ہے۔ یہ عظیم آتش فشاں بظاہر خاموش ہے لیکن نیچے موجود ابلتے ہوئے سیال میگما کی بے پناہ حرارت کی وجہ سے قرب و جوار میں گرم پانی کے چشموں کو جنم دیتا ہے۔ میگما کا یہ بڑا ذخیرہ سطح زمین سے محض تین میل کے فاصلہ پر زیر زمین واقع ہے۔

ماہرین ارضیات کی تحقیق کے مطابق اگر مستقبل میں Yellowstone کا آتش فشاں پھٹتا ہے تو اس کے اثرات کرۂ ارض پر محیط ہو سکتے ہیں۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا بڑا حصہ اس سے شدید متاثر ہو سکتا ہے اور زہریلی گیسوں کی انتہائی بڑی مقدار کرۂ زمین کی فضا میں شامل ہو کر آب و ہوا اور موسمیاتی نظام کو تہس نہس کر سکتی ہے۔

ایک اور عظیم خوابیدہ آتش فشاں جو ماہرین کے خیال میں یلو اسٹون سے بڑا ہے، Toba کے نام سے انڈونیشیا میں ہے۔ بعض ارضیاتی ماہرین کا خیال ہے کہ آج سے تقریباً 75 ہزار سال پہلے اس آتش فشاں کے پھٹنے کی وجہ سے زمین پر موجود انسانی آبادی کا 90 سے 95 فی صد ہلاک ہو گیا تھا۔ اس اندازہ میں نقص ہونا عین ممکن ہے البتہ اس سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ Toba آتش فشاں کس قدر ضخیم ہے۔

ماہرین کا خیال ہے کہ پچھلے پچیس لاکھ سال کے دوران Toba سب سے بڑے پیمانہ پر پھٹنے والا آتش فشاں ہے جو آخری بار 75 ہزار سال پہلے پھٹا۔ اگر مستقبل میں یہ آتش فشاں بیدار ہوتا ہے تو کرۂ زمین پر آبادی معدوم ہونے کا خطرہ ہے۔

جھیل Toba دراصل اس آتش فشاں کے دہانہ کا نشیب ہے جس کی لمبائی 100 کلو میٹر، چوڑائی 30 کلو میٹر اور گہرائی تقریباً 505 میٹر تک ہے۔ یہ انڈونیشیا

کے جزیرہ سماٹرا کے شمالی حصہ میں واقع ہے۔ Toba انڈونیشیا کی سب سے بڑی جھیل ہونے کے ساتھ دنیا میں کسی آتش فشانی دہانہ کی سب سے بڑی جھیل ہے۔

تفکر طلب امر یہ ہے کہ آتش فشانی دہانہ پر پانی کا ذخیرہ موجود ہونے سے آتش فشانی عمل سست ہو گا یا اسے مہمیز ملے گی—؟

عظیمی صاحب فرماتے ہیں:

''زمین کے اندر گرم سیال مادہ زمین کی اوپری سطح کی طرف آتا رہتا ہے۔ جب کسی طرح سے پانی اس مادہ کی طرف پہنچ جائے تو وہ بھاپ بن جاتا ہے۔ آتش فشاں سے نکلنے والے بخارات میں سب سے زیادہ کثرت بھاپ کی ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھاپ ہی وہ بنیادی اور متحرک قوت ہے جو دوسرے مادوں اور گیسوں کو زور سے باہر دھکیلتی ہے۔ ان مادوں میں کلورین، گندھک، پگھلا ہوا لوہا اور گیسوں میں کاربن ڈائی آکسائیڈ عام ہے۔''

مضمون میں مثال کے لئے دو معروف اور عظیم خوابیدہ آتش فشانوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ زمین پر درجنوں ایسے خوابیدہ آتش فشاں موجود ہیں جو super volcano کے گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ خوابیدہ آتش فشانوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے جو دنیا کو کڑوں میں گھیرے ہوئے ہیں۔

آتش فشاں پہاڑوں کو عموماً تباہی و بربادی کی علامت سمجھا جاتا ہے جب کہ ان کی غیر موجودگی میں

تقریباً 40 ہزار کلومیٹر (25 ہزار میل) طویل بحرالکاہل کے آتشی حلقہ (Ring of Fire) کے بعد زلزلوں کے حوالہ سے دوسرا بڑا متحرک خطہ Alpide belt ہے۔ یہ بیلٹ سری لنکا کے علاقہ جاوا سے بذریعہ ہمالیہ اور مشرقی یورپ، شمالی بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی ہے۔ دنیا کے کل پانچ سے چھ فی صد زلزلے اور ان میں 17 فی صد بڑے زلزلے اس خطہ میں آتے ہیں۔

زمین کا اپنا وجود، ماحول، معدنیات، زرخیزی اور وسائل سب خطرے میں پڑ جاتے ہیں۔

آتش فشاں کا ظاہری روپ آگ، لاوا اور زلزلہ ہے لیکن انہیں کی وجہ سے قدرتی وسائل کے خزانے مخلوق کے لئے مہیا ہوتے ہیں۔

کتاب ''محمد رسول اللہؐ۔ جلد دوم'' میں تحریر ہے،

''نقصان کے ساتھ ساتھ زلزلوں کے روشن پہلو بھی ہیں۔ گرم پانی کے معدنی چشمے زلزلوں کا تحفہ ہیں۔ شفا بخش اثرات کے حامل ان چشموں کا پانی بہت سے مریضوں کے لئے آب حیات ثابت ہوا ہے۔ زلزلوں سے معرض وجود میں آنے والی جغرافیائی تبدیلیوں سے چٹانوں کے نشیب و فراز بدل جاتے ہیں اور آبشار اور جھرنے زمین کی رونق میں اضافہ کرنے لگتے ہیں۔ زلزلوں سے زمین کے اندر بہت سی کار آمد معدنیات سطحِ زمین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔''

احمد نواز

میرا چاند

بچہ سونے کے دوران ذرا سی آہٹ پر چونک کر رونا شروع کر دیتا ہے۔ کیوں ــــ؟ زمینی ماحول نے اسے پریشان کیا ورنہ وہ سونے کے دوران ''حاضر باش'' رہتا ہے۔

ہر قوم، تہذیب و تمدن، ثقافت، روایات، اقدار کی حفاظت اور آنے والی نسلوں میں ان کی منتقلی کے لئے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم ترتیب دیتی ہے اور اس کے لئے مطلوبہ وسائل فراہم کئے جاتے ہیں۔

نصاب ترتیب دیتے وقت کوشش کی جاتی ہے کہ عمر بڑھنے کے ساتھ ذہنی، نفسیاتی، جسمانی، جذباتی اور اخلاقی نشو ونما ہوتی رہے۔

حقائق کی معرفت، تدبیر اور تخلیقی قوانین کی عظیم الہامی کتاب قرآن کریم نے بچہ کی تعلیم و تربیت، پیدائش، حقوق و فرائض، اخلاق، جذبات و احساسات اور اس کے ماحول پر اثرات کا جامع خلاصہ بیان فرمایا ہے۔ چند آیات کا مفہوم پیش ہے۔

۱۔ اللہ نے آدم کو زمین میں اپنا نائب بنایا۔

۲۔ آدم کو علم الاسما سکھائے اور مخلوقات پر فضلیت دی۔

۳۔ آسمان و زمین کی ہر شے انسان کے لئے مسخر ہے۔

۴۔ آدم مٹی سے پیدا کیا گیا۔

۵۔ جنت میں رہائش عطا ہوئی۔

۶۔ جن و انس فقط بندگی کے لئے پیدا کئے گئے کیوں کہ زندگی کا مقصد عرفان الٰہی ہے۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا سے فرمایا کہ جنت میں رہو اور جہاں سے جی چاہے خوش ہو کر کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب مت جانا ورنہ تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ اس حکم کے ساتھ ہی ارادہ کا اختیار دیا گیا۔ انہوں نے ارادہ کو صحیح استعمال نہیں کیا اور سزا کے طور پر اسفل سافلین (مادی دنیا) میں پھینک دیئے گئے۔

۸۔ اس دنیا میں زندگی مشقت ہے اور یہ مشقت نسل در نسل منتقل ہو رہی ہے۔ مشقت دو طرح کی ہے، دنیاوی ضروریات کا حصول اور روح کا عرفان۔ دونوں طریقے فرد کے اندر ریکارڈ ہیں۔

الہامی کتب کے مطابق دنیاوی زندگی دار العمل ہے اور نتیجہ کے دو رخ ہیں۔ ایک نتیجہ دنیا میں ملتا ہے اور دوسرا مرنے کے بعد سزا و جزا کی صورت میں۔ حقیقی کامیابی خالق اور اپنے تعلق سے واقف ہونے میں ہے۔

منشا روٹی، کپڑا، مکان اور دیگر سہولیات زندگی کا حصول ہو اور تخلیق کا مقصد نظر انداز ہو جائے تو یہ سوچ فرد

درفرد پھیلتی ہے اور قوم کی اجتماعی طرز فکر بن جاتی ہے۔

قانون قدرت کے مطابق فرد کے لئے انفرادی اور قوم کے لئے اجتماعی طرز فکر کے تحت قضا وقدر کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ اصلاح کی کوشش نہ ہو تو ان کا نشان و عمل، آنے والی اقوام کے لئے عبرت بن جاتا ہے۔

ماں کے بطن میں حواس اس وقت بیدار ہوتے ہیں جب بچہ کے اندر روح پھونکی جاتی ہے۔ اس وقت بچہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ ماں کے بطن سے خوراک حاصل کرتا ہے، اس کے تصورات، خیالات اور احساسات سے متاثر ہوتا ہے۔ ماں کی ہر حرکت دراصل مقدار ہے جو نشوونما پانے والے جینز کو متاثر کر کے اس کی ہیئت (نقش ونگار) تبدیل کرتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس زبردست حکمت والے کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے۔'' (آل عمران: ۶)

وہ خواتین جنہیں اللہ تعالیٰ نے ماں بننے کی سعادت عطا فرمائی ہے، انہیں چاہئے کہ ذہنی وقلبی پاکیزگی کا خاص خیال رکھیں۔ دوران حمل قرآن کریم کی تلاوت کریں، معنی ومفہوم پر تفکر کریں، ہر بات اللہ تعالیٰ کی معرفت سوچیں۔ سیرت طیبہؐ کا باقاعدہ مطالعہ کریں اور جذباتی کیفیات میں توازن کے لئے پابندی سے مراقبہ کریں تاکہ عمدہ اوصاف منتقل ہوں۔ باپ اور رشتہ داروں کو چاہئے کہ وہ ماں کے لئے ماحول کو سازگار بنائیں۔ ماں باپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ پیٹ میں پرورش پانے والا بچہ دیکھتا ہے، ہنستا ہے، متاثر ہوتا ہے اور ماں کے تصورات اس کے اندر محفوظ ہوتے ہیں۔

اسی طرح پیدائش کے بعد نومولود کے کان میں اذان کا مقصد یہ ہے کہ بچہ کو رب سے تعلق کا احساس ہو۔

ماں باپ، اساتذہ کرام اور بزرگوں کی باتیں اہم اور دانائی سے بھرپور ہوتی ہیں۔ جن مراحل سے ہم ابھی گزر رہے ہیں، وہ اس سے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے حالات کے نشیب وفراز اور رویوں میں اتار چڑھاؤ دیکھا ہے اس لئے بچوں کے رویوں اور جذبات سے واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا والدین اور بزرگوں کی رائے کو اہمیت دیں۔ ان کے تجربہ کو مدنظر رکھ کے زندگی گزارنی چاہئے کیوں کہ کل کو ہم بھی اپنے بچوں سے یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری بات سنیں تاکہ مستقبل میں ان کے کام آئے۔

زندگی کو گہری نظر سے دیکھنے والے ایک شخص نے استاد سے پوچھا، دنیا میں آنے کے بعد بچہ روتا کیوں ہے؟

استاد نے بتایا، دنیا میں آنے سے پہلے ہر بچہ جنت کا باسی ہوتا ہے۔ جہاں ہر طرف خوشی، سکون اور اللہ تعالیٰ سے قربت ہے — رنج وغم، دکھ اور پریشانی نہیں ہے، زمان ومکان انسان کے تابع ہیں۔ دنیا میں آنے کے بعد یہاں کے شب وروز اس کے برعکس ہیں۔ یہاں مادیت کا غلبہ، سوچ محدود، فضا بوجھل اور اس میں ثقل

(gravity) زیادہ ہے۔ بچہ جنت کے ماحول کو چھوڑنے کی وجہ سے روتا ہے۔

نوجوان نے سوال کیا کہ بچہ کو دیکھ کر ہر ایک پیار اور خوشی کا اظہار کیوں کرتا ہے ــــ؟

استاد نے متبسم لہجہ میں جواب دیا، وہ جنت کے حواس ساتھ لے کر آتا ہے اس لئے چہرہ پر معصومیت اور بھولا پن ہوتا ہے۔ لوگ کھنچے چلے آتے ہیں مگر یہ بات بھول جاتے ہیں کہ کبھی وہ خود بھی جنت کے باسی تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ کرختگی آئی اور معصومیت رخصت ہوگئی، بچپن اور لڑکپن بھولی بسری یاد بن گئے۔ فرد چاہے تو معصوم بن سکتا ہے اگر وہ بچہ کی عادات اپنا لے جب کہ کوئی شخص معصوم بننا نہیں چاہتا، سب خود کو عقل مند سمجھتے ہیں۔ وہ نورانی لہروں کو جذب کرنے کے لئے بچہ کو پیار کرتے ہیں اور اپنی کثیف لہریں اس میں منتقل کر دیتے ہیں۔

نوجوان نے پوچھا، کثیف لہروں سے کیسے نکلیں؟

استاد نے فرمایا، ہم تھوڑی محنت کر کے اس غلبہ کو ختم کر سکتے ہیں۔ محاسبہ سے خامیوں کا ادراک ہوتا ہے۔ کلمہ استغفار کی لہریں کثیف لہروں کو کاٹ دیتی ہیں۔ یاد رکھیں! استاد نے تنبیہ کی، کثیف لہروں کی وجہ ہم خود ہیں اس لئے لطیف لہروں کا نظام بحال کرنے کے لئے بھی فرد کو خود ہی کوشش اور جدوجہد کرنا ہوگی۔ دوسروں کی اصلاح کے بجائے اپنی اصلاح پر توجہ دیں کیوں کہ یہ سب سے آسان اور قابل عمل ہے۔

علیم و کریم اللہ نے قرآن میں حضرت مریمؑ سے متعلق واقعہ فرمایا ہے،

''پھر وہ اس بچہ کو لئے ہوئے اپنی قوم میں آئی، لوگ کہنے لگے، اے مریم! یہ تو تو نے بڑا پاپ کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار عورت تھی۔ مریم نے بچہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ لوگوں نے کہا، ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارہ میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟ بچہ بول اٹھا، میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا اور بابرکت کیا جہاں بھی رہوں، اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا، سلام ہے مجھ پر جب کہ میں پیدا ہوا اور جب کہ میں مروں اور جب کہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔''

(مریم: ۲۷۔۳۳)

علمائے باطن فرماتے ہیں کہ ان آیات میں دو طرح کی طرز فکر کا بیان ہے۔ عام افراد کی طرز فکر میں الزام تراشی اور حقائق سے لاعلمی ہے۔ دوسری طرز میں آباؤ اجداد کے اچھے اعمال، نیک سیرت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انعام و اکرام اور ذمہ داریوں کا بیان ہے۔ نومولود روزانہ تقریباً بیس، بائیس گھنٹے سوتا ہے۔ نیند کے دوران ہمارا جسم آرام دہ حالت میں ہوتا ہے، جسم مثالی عالمین میں سفر کرتا ہے اور روح قرب میں پہنچ کر سجدہ ریز ہوتی ہے، حمد و ثنا اور راز و نیاز کرتی ہے۔ بچہ سونے کے دوران ذرا سی آہٹ پر

چونک کر رونا شروع کر دیتا ہے۔ کیوں —؟ زمینی ماحول نے اسے پریشان کیا ورنہ وہ سونے کے دوران ''حاضر باش'' رہتا ہے۔

نوجوان نے استاد کے الفاظ سنے اور ان پر غور کیا۔ ان اقوال میں ہر شے اللہ کی معرفت بیان کی گئی تھی، ہر شے کا ذکر خالق کائنات اللہ سے وابستہ تھا۔

نوجوان نے پوچھا، عام لوگ بچہ کو میرا بچہ، میرا چاند وغیرہ کہتے ہیں، کیا یہ طرز گفتگو راست ہے اور بچہ پر اس کے کیا اثرات پڑتے ہیں؟

استاد نے کہا، میرا تیرا جیسے الفاظ کا بکثرت استعمال ملکیت جتانا ہے حالاں کہ ہم کسی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ ہم ملکیت کا احساس اولاد میں منتقل کرتے ہیں جس سے تخریب پروان چڑھتی ہے۔ بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور فطرت ازل تا ابد یکساں ہے۔ ملکیت ظاہر کرنے والے الفاظ سے نفس پرستی کی بنیاد پڑتی ہے۔ غور کریں تو ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ قانون یہ ہے کہ جس کام میں اللہ کا ذکر نہ ہو، نتائج میں تخریب اور ظلمت نمایاں ہوتی ہے۔ بچہ کا اللہ سے تعلق گہرا اور مضبوط ہے۔ یہ الفاظ اس ربط کو توڑتے یا کم زور کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لئے سمت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ سمت دراصل آدمی کے شعور کو ایک خاص رخ دینے کے لئے ترتیب دی جاتی ہے۔ جب ہم سمت کا تذکرہ کرتے ہیں تو دراصل ذہنی رخ کا تذکرہ کرتے ہیں۔ تمام کائنات انسان کے باطن میں موجود ہے۔ باطن کی طرف متوجہ ہونے سے ظاہر کی نفی ہوتی ہے۔ معصوم بچہ جب یہ الفاظ سنتا ہے تو اس کے ذہن کی اسکرین پر ماں باپ، بہن بھائی، عزیز رشتہ داروں کا عکس منتقل ہوتا ہے۔

قارئین! مضمون میں بیان کئے گئے استاد محترم کے ارشادات پر غور کیا جائے تو الفاظ میں موجود دانائی اور حکمت کا ادراک ہوتا ہے۔ حکمت و دانائی پر عمل سے ہم اس تعلیمی نصاب کے تحت تربیت حاصل کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے متعین کیا ہے اور جس کا ذکر تمام الہامی کتابوں اور آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ ہے۔ جب تک تربیت کا نصاب الہامی نصاب کے مطابق نہیں ہوگا، بچے اور بڑے باطن کے نور سے محروم رہیں گے۔

''میں'' مکا

پھلاں دا تو عطر بنا
عطراں دا فیر کڈھ دریا
دریا وچ فیر رج کے نہا
مچھلیاں وانگوں تاریاں لا
فیر وی تیری بو نئیں مکنی
پہلے اپنی ''میں'' مکا

کلام: حضرت بابا بلھے شاہؒ

طاہر محمود

بے نیاز بندہ ـــــ اللہ کا نیاز مند

امید رکھنا ضروری ہے کہ اسی پر دنیا قائم ہے لیکن امید کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو آپ چاہیں وہ ہو۔ امید کے حقیقی معنی ہیں کہ راستہ کتنا ہی دشوار ہو، یقین رکھیں کہ اللہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے، اس میں ہمارے لئے خیر ہے۔

ہمارے علاقہ میں عجیب حادثہ رونما ہوا۔ اسکول کی معلّمہ کے شوہر نے پنکھے سے بجلی کا تار باندھ کر خودکشی کرلی۔ بات سمجھ سے باہر تھی کہ ایسا شخص جسے میں ذاتی طور پر جانتا ہوں، انتہائی ملنسار، پانچ وقت نمازی، روزہ دار، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے والا، کٹھن سے کٹھن حالات میں مسکرانے والا ـــ اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتا ہے ـــ؟ کسی سے دشمنی نہیں، پڑوسی، رشتہ دار، دوست اور دور کے جاننے والے خوش مزاجی کے گن گاتے تھے۔ ایسا کیا ہوا کہ اس نے خودکشی کرلی؟

تعزیت کے لئے گھر گئے۔ مرحوم کے بھائی نے بتایا کہ موت سے کچھ عرصہ پہلے بجلی کی تار ہاتھ میں لے کر گھومنا شروع کیا تھا۔ ہم نے اہمیت نہیں دی اور یہ سوچ کر نظرانداز کردیا کہ بجلی کا کام کرتے ہیں، اس لئے ایسی بات نہیں کہ پوچھیں، بھائی کیا بات ہے بجلی کا تار لئے کیوں گھوم رہے ہو۔

بھائی نے بتایا کہ موت کے بعد ان کی فائل سے کئی تصاویر ملی ہیں جو انہوں نے خود پنسل سے بنائیں۔ ایک تصویر میں وہ تار سے کسی کارٹون کو پنکھے سے لٹکا ہوا دکھاتے ہیں۔ کارٹون کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے۔ دائیں جانب لکھا ہے کہ ''اب بچنے کی امید نظر نہیں آتی۔''

یہ بھی بتایا کہ ٹیسٹ میں شوگر زیادہ آئی تھی اور ڈاکٹر نے کھانے میں احتیاط کی ہدایت کی تھی۔ اکثر بیگم سے کہتے تھے کہ مجھے شوگر کیوں ہوئی؟ میں کسی کا دل نہیں دکھاتا، لوگوں کی خدمت کرتا ہوں، اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہوں، پانچ وقت نماز پڑھتا ہوں، دل آزاری نہیں کرتا، پھر مجھے بیماری کیوں لگ گئی ـــ؟

بس یہ سوچ لے کر بیٹھ گئے اور خاموش رہنے لگے۔ نمازوں میں باقاعدگی ختم ہوگئی، دوست احباب سے ملنا کم کردیا، گھر والوں سے چند جملے بول لیتے تھے۔

ایک روز ان کی بیگم اسکول میں تھیں، بیٹا اور شوہر گھر میں تھے، بیٹی کو کالج سے لانے کا وقت ہوا تو بیٹے نے دیکھا کہ ابو گھر میں نہیں، میں لے آتا ہوں۔ بیٹا

دوسرے کمرے میں گیا تو پیروں سے زمین نکل گئی۔ ابو پنکھے سے لٹکے ہوئے تھے۔

اس واقعہ نے مجھے بے حال کر دیا۔ تجزیہ کرنے پر معلوم ہوا کہ اسے توقع تھی کہ میں اچھے کام کرتا ہوں لہٰذا مجھے بیماری نہیں ہوسکتی۔ اور جب بیماری ہوئی تو اس نے گلہ کیا کہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا۔ منفی خیال پر ٹھہرنے سے شکوے شکایات اس حد تک بڑھ گئیں کہ وہ مایوسی کی دلدل میں پھنستا گیا اور ایک دن اپنی جان لے لی۔

میں نے بہت سوچا کہ ایسا کیوں ہوا—؟ خودکشی کا بنیادی سبب غیر حقیقی توقعات تھیں جو مایوسی بن گئیں۔ وہ مایوس ہوگیا تھا جس سے ذہن ایک نکتہ پر رک گیا۔ ایک ہی ریکارڈ بار بار بجا، ٹیپ آگے نہیں بڑھی اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت متاثر ہوگئی۔ کیا آپ نے ریکارڈ میں خرابی دیکھی ہے—؟ جب کیسٹ کے فیتے میں کوئی شے پھنستی ہے تو جس مقام پر رکی، اس کی تکرار ہوجاتی ہے۔ جیسے کیوں ہوا، کیوں ہوا، کیوں ہوا۔ اسی طرح ارے واہ، ارے واہ، ارے واہ۔

آدمی کی زندگی آبشار کی طرح ہے۔ اگر آبشار بند ہوجائے تو یہی موت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ فلم کہیں بنی ہوئی ہے۔ آدمی کے اندر ایک پروجیکٹر ہے، اس پر فلم چڑھی ہوئی ہے۔ اسے روشنی مل رہی ہے اب وہ جو کچھ دیکھ رہا ہے، اس روشنی میں موجود عکس دیکھ رہا ہے۔

پروجیکٹر اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو متعارف کرانے کے لئے کوئی وسیلہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ذہن میں آیا کہ ''کُن'' — ک اور ن سے کائنات بن گئی۔ اس علم کا سورس اللہ تعالیٰ کا ذہن ہے جس کے مظاہرہ کو علم القلم کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمام عالم — خیال کی تصویر ہے۔ مرزا غالب نے فرمایا،

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دام خیال ہے

زندگی کا ہر عمل خیال کے تابع ہے۔ خیال کے بغیر حرکت نہیں۔ کوئی بھی عمل اچھا یا برا نہیں ہوتا۔ اسے اچھے یا برے معنی پہنا دیئے جاتے ہیں۔

اس واقعہ سے اس فرد کی کیفیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر کس قدر کم زور تھا۔ شوگر اسے اپنی وجہ سے ہوئی، قدرت کی وجہ سے نہیں اور پھر شوگر کی متعدد وجوہات ہوتی ہیں۔ اچھے کام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بیماری حملہ آور نہیں ہوگی، دیگر معاملات میں احتیاط نہ برتیں تو بیماری ہونا لازم ہے۔

بظاہر یہ ایسی بات نہیں کہ کوئی خودکشی کر لے مگر اس واقعہ میں ہم سب کے لئے سبق ہے کہ شک اور شکایات کا جال فرد کو مایوسی میں مبتلا کر کے کہاں سے کہاں لے جاتا ہے اور کیا کیا کروا دیتا ہے۔ منفی سوچوں کا گھیرا تنگ ہونے سے بندہ خودکشی پر آمادہ ہو کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

لوگوں سے توقعات ٹوٹنے اور خودکشی کرنے کی ہزاروں مثالیں سنیں اور پڑھیں لیکن قدرت سے ناراض ہوکر خودکشی کرنا۔۔۔؟ ایسا پہلی بار دیکھا کہ منفی رویہ کس طرح فرد کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے۔

امید رکھنا ضروری ہے کہ اسی پر دنیا قائم ہے لیکن امید کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو آپ چاہیں وہ ہو۔ امید کے حقیقی معنی ہیں کہ راستہ کتنا ہی دشوار ہو، یقین رکھیں کہ اللہ ہماری حفاظت کرنے والا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے، اس میں ہمارے لئے خیر ہے۔

ہم توقعات قائم کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو ہم چاہتے ہیں، وہی ہو۔ یہ امید نہیں، اپنی مرضی چاہنا ہے۔ توقعات روحانی علوم کے حصول میں ایک بڑی رکاوٹ ہیں۔ ایک توقع وہ ہے جو مخلوق سے ہوتی ہے اور اس وقت تک ہمیں ان سے جوڑے رکھتی ہے جب تک توقعات پوری ہوتی رہیں۔ اگر توقع پوری نہ ہو تو گلے شکوے ہوتے ہیں، رشتوں میں تناؤ پیدا ہوتا ہے اور انتشار پھیلتا ہے۔

توقع پر غور کیجئے، یہ ایسا پیٹرن ہے کہ ذہن میں اس کے علاوہ کوئی بات آتی نہیں کہ فلاں بندہ میرا کام کرسکتا ہے، فلاں کی سفارش سے کام ہوسکتا ہے، اگر میں اچھی تعلیم و تربیت کروں گا تو بیٹا بڑا ہوکر بڑھاپے کا سہارا بنے گا۔ دوسری طرف بیٹا یہ سوچتا ہے کہ والد کے لوگوں سے تعلقات ہیں، ان کی وجہ سے میں اچھی نوکری پر لگا، اگر کوئی مسئلہ آیا تو والد معاملہ حل کرلیں گے۔ توقع کا سلسلہ آگے بڑھتا ہے اور اس میں بیش تر اوقات وہ راستہ اختیار کرلیا جاتا ہے جو اخلاق کے منافی ہے۔

ایک اور حقیقی واقعہ پڑھئے۔

کسی محلّہ میں ایک اسکول میٹرک کے امتحان کا مرکز بن گیا۔ والد بچہ کے پرنسپل صاحب سے مخاطب ہیں کہ جناب آپ کا اپنا بچہ ہے، خیال رکھئے گا، صرف MCQS (درست جواب منتخب کرنا) میں مدد کردیں اور کسی سوال میں مشکل درپیش ہو تو وہ بھی!

پرنسپل صاحب نے فرمایا، بے فکر ہو جائیں یہ اپنا بچہ ہے۔ ویسے تو ہم سارے بچوں کا خیال رکھتے ہیں، آپ کے بچہ کا خاص دھیان رکھیں گے۔

پرنسپل صاحب اب متعلقہ کمرے کے ممتحن (invigilator) سے مخاطب ہوتے ہیں کہ یہ ڈائریکٹر کا بیٹا ہے۔ اس کے والد کے مجھ پر احسانات ہیں، کسی مسئلہ میں پھنس گیا تھا تو میری بہت مدد کی۔ ذاتی طور پر درخواست ہے کہ بچہ کا خاص خیال رکھیں۔

ممتحن کہتے ہیں، جی سر آپ ہمارے بڑے ہیں، غلطیوں کو نظر انداز کرتے ہیں، حکم سر آنکھوں پر، آپ کا خدمت گزار ہوں۔

پرنسپل صاحب خوش ہوکر گلے لگا لیتے ہیں کہ خوش رہو۔ تمہارا بھی کوئی بچہ یا جاننے والا ہے تو بتاؤ اسے خاص کمرے میں بٹھا کر پرچہ حل کروائیں گے۔

ممتحن نے کہا، جی سر وہ میرے بھائی کا بیٹا فلاں کمرے میں ہے۔

مخلوق سے توقعات وہ راستہ ہے جو شروع تو جائز کاموں سے ہوتا ہے (جائز راستہ ہم اس لئے کہہ رہے ہیں کہ ابتدا میں اس میں کسی کا حق نہیں مارا جاتا) لیکن اختتام پر دوسرے کے احسانات کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی نہ کوئی ناجائز کام ہو جاتا ہے اور بندہ متوجہ نہیں ہوتا کہ میں نے کچھ غلط کیا ہے۔

اپنے اندر اتنی اہلیت پیدا کریں کہ کسی کا احسان نہ لینا پڑے لیکن چوں کہ ہم معاشرہ میں رہتے ہیں اور آدمی آدمی کی دوا ہے لہٰذا جائز کاموں میں ایک دوسرے کے کام آنا عبادت ہے۔ البتہ جواب میں توقع رکھنا کہ وہ بھی میرا کام کردے گا، نیکی کو ضائع کرنا ہے۔ اس نکتہ سے توقعات شروع ہوتی ہیں۔ یہ خدمت نہیں، لین دین ہے اور پورا معاشرہ اس سوچ کی لپیٹ میں ہے۔

ضروریات کے لئے ایسے شخص کی طرف دیکھنا جس کی ضرورت کوئی اور پوری کرتا ہو، درحقیقت خالق سے دور ہونا ہے۔ خالق سے دوری، شیطان سے قربت ہے۔ اس سوچ سے نقصان کس کا ہوا — ؟ ہمارا! اور اس کو اللہ تعالیٰ نے ظلم اور جہالت فرمایا ہے۔

یاد رکھیں جب مخلوق سے گلے شکوے شروع ہوں تو سمجھ جائیں کہ خالق سے رشتہ کمزور ہو رہا ہے۔ اسی وقت خالق سے رجوع کریں، وہ آپ کو اپنی رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے۔

خالق کائنات سے رجوع کرنے اور رحمت سے فیض یاب ہونے کا طریقہ تمام توقعات اللہ تعالیٰ سے وابستہ کرنا ہے۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ توقع قائم کرنے سے پہلے یہ ضرور دیکھ لینا چاہئے کہ اخلاقی طور پر ہم کہاں کھڑے ہیں اور ہماری توقعات کا مقصد کیا ہے — ؟

مقصد دنیا کا حصول ہے تو دنیا تو پہلے ہی ہمارے لئے مسخر ہے، ہر چیز خدمت میں مصروف ہے اور فائدہ پہنچا رہی ہے۔ اس کے بعد بھی دنیا کا حصول مقصد ہے تو واضح مطلب ہے کہ آپ ملکیت چاہتے ہیں اور ان علوم کی طرف متوجہ نہیں جو بندہ کو آدمی سے انسان بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تسخیر کائنات کے علوم وضاحت سے بیان فرمائے ہیں۔ مگر اس کے لئے فرد کو خود سے الگ ہونا ہے، اور وہ خود سے الگ ہونے پر آمادہ نہیں۔

دنیا ایسا جال ہے جس میں پھنس کر آدمی حقیقت سے دور ہو جاتا ہے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ بندہ کو نقصان ہو لہٰذا نقصان سے محفوظ رکھنے کے لئے اس شے کو آدمی سے دور کر دیتا ہے اور ناسمجھ آدمی واویلا کرتا ہے کہ ہائے! میری تو قسمت خراب ہے!

کاروبار میں نقصان سے ہارٹ اٹیک ہو یا کوئی اور بیماری لاحق ہو جائے تو ایسا فرد اچھے کام کرتے ہوئے بھی مادیت کے جال میں پھنسا ہوا ہے۔

فرد کی فرد سے توقعات دین سے دوری اور شیطانی

جال ہے۔ ہر مذہب بے غرض ہو کر خدمت کرنا سکھاتا ہے۔ بے غرض خدمت میں توقعات کے جال سے محفوظ رہنے کا قانون ہے۔

دنیا میں آنے کا مقصد خالق کائنات سے واقف ہونا ہے، اس راستہ میں توقعات نیت خالص اور عمل پیہم ہونے کی وجہ سے پوری ہو جاتی ہیں کیوں کہ بندہ نے مقصد میں کسی کو شریک نہیں کیا، صرف معرفت کے حصول میں مشغول رہا اور اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ عادتوں کو اختیار کیا۔ یاد رکھئے! اللہ کا نیاز مند ـــ بندوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

مضمون ایک صاحب کی خودکشی کے واقعہ سے شروع ہوا جو نہ صرف افسوس ناک ہے بلکہ گھر والوں کے لئے بھی اذیت کا باعث ہے۔ ہم واقعات پر نظر رکھتے ہیں لیکن محرکات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اس لئے مسئلہ کا تدارک نہ ہونے اور سبق نہ سیکھنے کی وجہ سے واقعات خود کو دہراتے رہتے ہیں۔

ان صاحب کی خودکشی کی وجہ بظاہر معمولی ہو لیکن معاشرہ کی بقا کو مدنظر رکھا جائے تو یہ غیر معمولی صورت حال ہے۔ سوچئے کہ فرد توقعات قائم کرتے ہوئے، اور وہ بھی غیر حقیقی، اس حد تک پہنچ گیا کہ غلطی کو دور کرنے اور احتیاط کے بجائے اس نے مایوس ہو کر اپنی جان لے لی۔

اپنے اندر کو پہچانو

بدھا صاحب فرماتے ہیں، ''گناہ کی دلدل میں پھنسے شخص کو مایوسی کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ اسے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ واپسی کے دروازے بند ہو گئے ہیں کیوں کہ ایسے طریقہ ہائے کار ہیں جن سے قلب کی تاریکی روشنی میں بدل سکتی ہے۔ ایسے راستے ہیں جن پر چل کر ابن آدم دھند اور غبار سے نکل کر درجہ بہ درجہ تیز ہوتی ہوئی مہربان روشنی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ایسے اصول موجود ہیں جن پر عمل پیرا ہونے والے زیادہ سے زیادہ آگاہی اور راستی کے حصول میں کامران اور کام یاب ٹھہرتے ہیں۔ ان راستوں، طریقوں اور اصولوں سے آشنا ہونے کے لئے اپنا جائزہ لو، اپنے اندر کو پہچانو، باطن سے واقفیت حاصل کرو۔ جب تم اپنا محاسبہ کرو گے تو جان لو گے کہ روشنی ـــ تاریکی میں نظر آتی ہے اور تاریکی روشنی بن جاتی ہے۔ روشنی نہ ہو تو فرد تاریکی نہیں دیکھ سکتا۔ خالق کائنات نے ہر فرد کو عمدہ اوصاف اور عقل سلیم عطا کی ہے، انہیں کام میں لا کر عظمت و فضیلت کی مثال بن جاؤ۔ بدی چھوڑ کر عاجزی کا اظہار کرو۔ دنیاوی مظاہر اور آسائشوں کی بے ثباتی اور ان میں تغیر پر غور و فکر کرو۔ تم جان لو گے کہ یہ زندگی اصل نہیں ـــ یہ ناپائیدار اور فنا پذیر ہے۔''

یادداشت کا بہترین ذریعہ ـــــ بوئے وفا

محبت کے عالم میں دوئی کی بے کیفی اور کرب سے چھٹکارا کہاں ۔ یہ وجود پردہ بہ پردہ راہ میں حائل ہے، حجاب در حجاب بنا ہے۔شوق طلب کے آگے ان سہاروں کی کیا ضرورت ۔ اس نارِعشق کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جبرئیل تک کا سہارا قبول نہیں۔تو پھر یہ آنکھوں کا سہارا دیدار کے لئے کیوں ہو ـــ؟

جسم انسانی کو حواس خمسہ عطا ہوئے ۔محسوسات کی دنیا میں ان صلاحیتوں کے فیضان سے کس کو انکار ہوسکتا ہے مگر فرد کسی چیز کو دیکھتا ہے، پھر برس ہا برس بعد وہی چیز سامنے آتی ہے تو کبھی پہچان لیتا ہے اور کبھی یہ کہہ کر ٹال دیتا ہے کہ دیکھی بھالی معلوم ہوتی ہے ۔ شک کی گنجائش ضرور رہ جاتی ہے ۔یہی حال آواز ، ذائقہ اور چھونے کی حس کا ہے۔

مگر ـــ یادداشت کا بہترین ذریعہ خوش بو نظر آتی ہے ۔لطیف ترین حس یہی قوت شامہ ہے ۔سونگھنے کی صلاحیت کا تعلق سانس سے ہے۔سانس زندگی کا رشتہ قائم رکھنے کی ضمانت ہے ۔آنکھ، کان ، زبان بند ہوں لیکن سانس چلتی رہے تو زندگی جاری رہتی ہے ۔ یوں بھی دیکھنا سننا ایک محدود فاصلہ تک کی بات ہے مگر خوش بو میلوں سے آتی ہے، سونگھنے والی ناک چاہئے ۔

سائنس بھی تجربے کر کے بتا رہی ہے کہ صدیوں تک اشیا کے تاثرات نہیں جاتے ۔ ان تاثرات کی ادنیٰ مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ کسی بیمار کے بال کا ٹکڑا یا جاذب پر خون کا قطرہ یا اس کے دستخط کروا کے معالج کو بھیج دیئے جاتے ہیں اور وہ انہیں آلہ پر رکھ کر دور مقام سے علاج کر لیتا ہے یا زراعت کے شعبہ میں دور سے ہی مخصوص تاثرات ڈال کر کاشت بڑھائی جاتی ہے یا جراثیم سے کھیتی کو پاک کیا جاتا ہے۔

یہ بھی تجربے ہو چکے ہیں کہ کوئی چیز ایک جگہ موجود ہو تو وہاں سے ہٹ جانے کے بعد بھی عرصہ تک اس چیز کے تاثرات وہاں رہتے ہیں اور اس چیز کی تصویر بعد میں لی جاسکتی ہے۔

آواز کی بابت بھی یہی ہے کہ ضائع نہیں ہوتی بلکہ پھیل جانے کے باوجود فضا میں قائم رہتی ہے ۔ البتہ خوش بو کا تاثر لینے کے لئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ روحانی صلاحیت کی بات ہے ۔اور اس کا تاثر اس لئے سب سے دیرپا ہوتا ہے کہ خوش بو اس قسم کی چیز ہے کہ کسی

بزرگ کی پیدائش سے دوسو سال قبل ہی ابوالحسن خرقانیؒ نے سونگھ کر فرمایا کہ آج سے دوسو سال بعد پیدا ہونے والی سعید روح کی خوش بو سونگھتا ہوں۔ یہ گویا اس روح کی خوش بو کی بات ہے جسے سونگھنے والی ناک زمان و مکان کی حدود سے پرے بھی سونگھ لیتی ہے۔

یا حضرت امیر خسروؒ کا واقعہ کہ ایک راہ گزر سے حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خوش بو پا کر، اس سے شیخؒ کی نعلین اپنے سارے قافلہ کا سامان اور اونٹ دے کر خرید لیں۔ خسروؒ کے اس سوز روحانی کی بابت حضرت نظام الدین اولیاؒ نے فرمایا کہ کاش مجھے خسروؒ کا سوز مل جائے تو اپنی ساری ولایتیں اسے بخش دوں۔ یہ حضرت نظام الدینؒ سے ایک مدت ہم نشینی کی بات تھی جس کے لئے خسروؒ نے کہا تھا،

زبندِ دو جہاں آزاد گشتم
اگر تو ہم نشین بندہ باشی

یا پھر وہ بوئے پیرہن یوسفؑ کا واقعہ کہ بیس سال بعد حضرت یعقوبؑ نے لخت جگر کی پیراہن سونگھی تو بینائی واپس آ گئی۔ یہ خوش بو گویا چشم کو بھی بینا کر دیتی ہے۔ اگر چہ نظر کی شان بھی بذات خود کیا کم ہے، ''ینظر بنور اللہ'' کی بات ہے۔ اس واقعہ کے بعد خوش بو کی بات نسبت یعقوبی کہلائی۔

خوش بو سونگھنے کی صلاحیت محبت و وفا کی بدولت ہے۔ وفا ہے تو مسام خوش بو کو پانے کے لئے کھل جاتے ہیں۔ ایک اسفل وجود تک میں بو سونگھنے کی صلاحیت وفا کی دلالت ہے۔

وفا — توحید میں مقرب بارگاہ ہونے کی دلالت ہوئی اور قربِ وحدت کی نشانی قائم ہوئی۔ یہ وفا ہی ہم سفر بن کر محبوب حقیقی کے در تک لے گئی۔ نکتہ کی بات یہ ہے کہ یہاں جبرئیل بھی جانے سے عاجز تھے۔ یہ وفا نسبت کی بات تھی۔ نسبت بڑی چیز ہے۔ کسی کی محبت ہو، عقیدت ہو، ارادت ہو تو ساتھ نہیں چھوٹتا۔ خود میں سے اپنے مرکزِ محبت کی خوش بو آتی ہے۔

نسبت کے لئے کہا ہے،

ترجمہ: اے پھول تجھے سونگھتا ہوں تجھ میں سے کسی کی خوش بو آ رہی ہے۔

گل سے یہ نسبت، تو اس کے جمال، اس کے حسن کے کیا کہنے۔ یہ سہاگ کی بات ہے، سہاگن ہو جائے تو عروس ذات کا روپ نکھر آتا ہے۔ یہ نسبت صرف محسوس کی جا سکتی ہے اور چھٹی حس سے محسوس ہوتی ہے۔

البتہ نسبت کے لئے دو وجود ضروری ہیں، ایک میرا اور ایک تیرا۔ ایک میری انا اور ایک انائے مطلق۔ قربت کے فیض سے مٹی میں بھی پھول کی خوش بو آنے لگتی ہے۔ پوچھا جائے تو یہی کہے گی،

جمال ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یہ گل کے ساتھ ایک مدت تک ہم نشینی کا صلہ ہے کہ مٹی میں پھول کا جمال جھلک اٹھتا ہے۔ اس نسبت سے

خاک بھی نوری ہو جاتی ہے۔ مثلاً شجاعت کے لئے نسبت کا راز ''علی بابُہا'' * ہے۔ ہم تعین میں ہیں اس لئے تعین میں ہی اس نسبت کو پانا ہے۔ اس کے لئے شیخ کا وجود ضروری ہے تاکہ شیخ کا ہاتھ، ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

دست او از غائباں کوتاہ نیست
دست او جز قبضۂ اللہ نیست

پرونے والا موجود ہو تو تسبیح کے دانہ کو پرو دیتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے دل کو دانہ کا سوراخ سمجھ لو۔ ٹوٹا ہوا دل ہی پرونے والے سے رجوع کرتا ہے۔

یہ ہے شیخ کی نسبت قائم ہونے کی بات۔ اس نسبت کے علاوہ اگر کوئی اور چیز دل میں ہو تو اجمیر بغداد مدینہ جا کر بھی فیض کم ملتا ہے۔ مرشد کی نسبت ان جگہوں پر قائم ہے تو فیض ہو جائے گا۔

حق تعالیٰ اور بندہ کے درمیان رابطہ نسبت شیخ کے ذریعہ ہے۔ یوم ازل وہ آمنا سامنا، عہد و پیمان وفا، کیسی تسلی، کیسی تسکین، کیسے سہارے کی بات تھی۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں کہہ کر ربوبیت کی بابت ایک پہلے سے جاری شدہ چیز ہونے کی یاددہانی کر دی گئی، اور آئندہ بھی ربوبیت کے جاری رہنے کی ضمانت دے دی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس ربوبیت کے فیضان کا شعور انفرادی روحوں میں پہلے سے تھا اور اسی کے اقرار میں قالوا بلیٰ ہوا تھا۔

جب اس کی رزاقی، پالنے، پرورش کرنے کی عنایت کو ہم پہلے سے دیکھ چکے ہیں اور آگے کی بھی ضمانت مل گئی ہے تو کیوں نہ اپنی اپنی فکروں سے آزاد ہو جائیں۔ ربوبیت کی تکرار اور پیمانِ الست کے پیچھے محبت کے رشتہ کی استواری دیکھیں۔ رب کی طرف سے سب کچھ عطا کیا گیا ہے تو بندہ سب قربان کیوں نہ کرے۔ وہ سراپا رحمت ہے تو یہاں سراپا عاجزی ہو۔ الوہیت کا اقرار بندگی ہے۔ وہ سراپا ناز ہے تو ہم سراپا نیاز ہو جائیں۔

اے رب تو نے ہمیں بندہ بنا کر بڑا احسان کیا۔ وفاداری کے لائق گردانا۔ تیری خوش بو خود میرے وجود سے پھوٹ نکلی ہے۔ میں اس خوش بو میں مست ہوں۔ جب کبھی تیری جانب سے خوش بو کی ہوا چلتی ہے تو یہ آہوئے صحرائی (صحرائی ہرن) اپنے سے باہر ہو جاتا ہے۔

بوئے بے نیاز آمد از طرۂ مشکینش
از خود بہ رمید آخر این آہوئے صحرائی

جیسے خواجہ اجمیریؒ نے فرمایا کہ جب کبھی انفس میں، اپنے وطن میں، آفاق میں، ظواہر عالم میں بوئے دوست آتی ہے تو سمجھ لیتا ہوں کہ تیرے کوچہ سے ہوا چل پڑی ہے۔

مگر صبا ز سر کوئے دوست می آید
کہ از زماں و زمن بوئے دوست می آید

''علی بابہا'' سے مراد ہے کہ حضرت علیؑ علم کے شہر کا دروازہ ہیں۔

زمان و زمن میں بوئے دوست پاجانا بس کوئے دوست سے ہوا چلنے کی بات ہے۔ ذات کی خوش بو میں بس جانے کی بات ہے کہ پھر جدھر نکلے، فضا معطر ہوگئی۔ یہ کملی ہو جانے کی بات ہے، گیسوئے مشکیں میں لپیٹ لئے جانے کی بات ہے۔ یہی وہ راز ہے کہ جس کے لئے فرمایا ہے کہ کوئی نہیں جانتا سوائے میرے۔

بوئے دوست کو پانے کے بعد، وجود کو چیر کر نکل جانے کی بے قراری ہوتی ہے۔ مستیٔ الست کا کیف پھر سے ملتا ہے۔ مستیٔ بوئے ذات کے نشہ کے آگے سارے نشے ہیچ ہیں۔ یہاں تک کہ محبت کا نشہ اپنی ہی خود پرستی سی معلوم ہوتی ہے۔

محبت کے عالم میں دوئی کی بے کیفی اور کرب سے چھٹکارا کہاں۔ یہ وجود پردہ بہ پردہ راہ میں حائل ہے، حجاب در حجاب بنا ہے۔ شوق طلب کے آگے ان سہاروں کی کیا ضرورت۔ اس نارِ عشق کو ٹھنڈا کرنے کے لئے جبرئیل تک کا سہارا قبول نہیں۔ تو پھر یہ آنکھوں کا سہارا دیدار کے لئے کیوں ہو ــــ؟ قرنیؓ کی ادا کیوں نہ اپنائی جائے۔ مگر وہاں یہ بوئے دوست تو روح میں بسی ہے۔

قلندر بوعلی ہستم بنام دوست سر مستم
دل اندر عشق او بستم نمی دانم کجا رفتم

یہ بوئے دوست انبساط روح ہے۔ روح امر ربی۔ دوئی کی گنجائش کہاں ــــ؟ ایک مستیٔ وحدت، ایک کیف ہاو ہوئے ذات، جسم و جان کے بندھنوں اور وجود کے پھندوں سے نکل جانے کی بات۔ کشتۂ وفا کو گیسوئے مشکیں کی خوش بو سنگھائی اور اس کی روح اس خوش بو کے ساتھ خود ہی خوش بو بن کر سوئے محبوب چلی۔ نہ آخری سانس کا بوجھ، نہ پاسِ انفاس کا احسان۔ کسی کے کوچہ سے ہوا پہنچی اور انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہوئے وجود سے نکلے۔

خود سے بے خود ہونا

بابا عبید اللہ درانیؒ فرماتے ہیں کہ ”اے رب تو نے ہمیں بندہ بنا کر بڑا احسان کیا۔ وفاداری کے لائق گردانا۔ تیری خوش بو خود میرے وجود سے پھوٹ نکلی ہے۔ میں اس خوش بو میں مست ہوں۔ جب کبھی تیری جانب سے خوش بو کی ہوا چلتی ہے تو یہ آہوئے صحرائی (صحرائی ہرن) اپنے سے باہر ہو جاتا ہے۔“

بوئے حبیب ــــ روح اور ذات کے درمیان ایک راز ہے۔ اس کا بیان کیسے ہو ــــ؟ یہ ہم میں خوش بو بس جانے کی بات نہیں بلکہ یہ کہ ہم اس خوش بو میں بس جائیں۔ اس کی ایک جھلک جوانی کے زمانہ میں ملی۔ جذب کا عالم تھا۔ حقیقت میں یہ حال تھا کہ لوگوں کو سانس میں جلے گوشت کی بو آتی تھی۔ حال یہ تھا کہ پھٹ پڑنے کے قریب۔ پھر رحمت نے لپیٹا۔ خود کو حبیب پاکؐ سے معانقہ کرتے پایا۔ زلفوں میں چہرہ پیوست تھا۔ مشک کی خوش بو تھی اور دل لیسؔ لیسؔ کر رہا تھا۔

(قسط: ۱)

ع۔ح۔جمیل

توجہ ــــ؟

چھوٹے ڈبے میں سنگ مرمر کے کچھ ٹکڑے ڈالیں اور ایک دفعہ جھانکنے سے ٹکڑوں کی تعداد معلوم کریں۔ چار یا پانچ ٹکڑے یقیناً نظر آئیں گے لیکن اس سے زیادہ کے متعلق شبہ ہوگا۔

توجہ وہ عمل ہے جس پر حرکات وسکنات قائم ہیں۔ نظر جب ایک مرکز پر ٹھہرتی ہے تو ٹھہرنے سے شے نظر آتی ہے، بصورت دیگر وہ موجود ہو کر بھی فرد کے لئے غیر موجود ہے۔ آدمی کے لئے وہی کچھ ہے، جس پر اس کی توجہ ہے، باقی اشیا نظر انداز ہو جاتی ہیں۔

توجہ کا تعلق ذہن کی حرکت سے ہے۔

اس پر غور کرنے سے کئی چیزیں منکشف ہوں گی۔

گزشتہ شمارہ میں توجہ کی ذاتی و صفاتی ساخت کی تفصیل نفسیات کے تناظر میں پیش کی گئی تھی۔ مضمون کے اس حصہ میں توجہ سے منسلک دیگر عناصر کا ذکر ہے۔

توجہ کی بالعموم تین اقسام ہیں۔

(۱) **مجہول یا اضطرابی:** اس قسم میں محرک کی طرف متوجہ ہونا قدرتی امر ہے۔ ہم ارادہ کریں یا نہ کریں، توجہ بلا ارادہ مبذول ہوتی ہے۔ جیسے مطالعہ میں مشغول شخص کو زوردار آواز آتی ہے تو توجہ فوراً کتاب سے ہٹ کر آواز کی طرف ہو جاتی ہے۔

(۲) **معروف یا اختیاری:** اس درجہ میں توجہ کا خاص سبب ہوتا ہے۔ عموماً ذہن ایک چیز پر قائم نہیں رہتا لیکن ارادہ کے تحت بعض چیزوں پر چند وجوہات کی وجہ سے توجہ کا قائم رکھنا ضروری ہے۔ کھانا پکاتے ہوئے ذہن ادھر ادھر ہو جائے تو کھانا جل جاتا ہے یا کوئی چیز کم یا زیادہ ہو جاتی ہے۔ ڈرائیور کو سپاہی کی آواز سننا لازمی ہے ورنہ وہ قانون توڑنے یا حادثہ کی صورت میں خمیازہ بھگتتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو سبق پڑھنے پر شاباش اور آفرین کہا جائے تو ان کلمات سے بچوں کی توجہ مبذول کرنا آسان ہے۔

دل چسپی وہ محرک ہے جس کا توجہ سے براہ راست تعلق ہے۔ دیہات میں جو طاقت لوگوں کو قصہ خواں کی طرف کھینچتی ہے وہ دل چسپی کے سوا کچھ نہیں۔

ضروری نہیں کہ ایک شے دو لوگوں کے لئے پرکشش ہو۔ آپ دوست کے ساتھ گاڑی میں جا رہے ہیں تو پہیوں کی آواز دونوں سنتے ہیں لیکن توجہ وہ دیتا ہے جس کی گاڑی ہے۔ گاڑی میں نقص آجائے اور معمول سے ہٹ کر آواز پیدا ہو تو دوسرا شخص بھی متوجہ ہوگا۔ البتہ

جس کی گاڑی ہے، اس کی توجہ اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک مسئلہ حل نہیں ہوجاتا۔

(۳) **توجہ بطور عادت:** بعض اشیا دل چسپی کے سبب عادت بن جاتی ہیں۔فرد ناول پڑھنا چاہتا ہے، چند ابواب پڑھنے کے بعد توجہ اختیاری نہیں رہتی، دل چسپی بن جاتی ہے اور ہمیں دنیا و مافیہا سے بے خبر کردیتی ہے۔عموماً مکتب میں خوف کے ذریعے دل چسپی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور یہ فراموش کردیا جاتا ہے کہ دل چسپی پیدا کرنے کی قوت خوف سے زیادہ محبت میں ہے۔

درس وفا اگر بود بزمزمۂ محبتے
جمعہ بہ مکتب آورد طفل گریز پائے را

ترجمہ: اگر محبت کے جذبہ کے ساتھ درس دیا جائے تو بھاگنے والا شاگرد جمعہ (تعطیل) کے روز بھی پڑھنے آئے گا۔

مشہور ماہر نفسیات ولیم جیمس نے توجہ مبذول کرنے کے دو قوانین مقرر کئے ہیں۔

(۱) بچہ دل چسپی نہیں رکھتا تو استاد کو چاہئے کہ درس سے وابستہ خارجی اسباب پیدا کرے مثلاً سزا یا انعام۔لیکن سزا کو خاص موقع پر استعمال کرنا بہتر ہے۔خوف جاتا رہے تو طالب علم سزا کی پروانہ کرتے ہوئے درس کی طرف متوجہ نہیں ہوگا۔سزا کی نسبت — سزا کا خوف زیادہ مفید ہے۔

استاد کا فرض ہے کہ خارجی اسباب سے اختیاری توجہ پیدا کرنے کی کوشش کرے یعنی پڑھانے کے طریقہ کار میں جدت پیدا کرے۔بچے نئی چیز کی طرف زیادہ متوجہ ہوتے ہیں۔

بہترین طریقہ یہ ہے کہ دل چسپی کا سبب اندرونی ہو، اس طرح مقصد جلد حاصل ہوتا ہے اور دل بھی لگا رہتا ہے۔بچے جس شے کی طرف بے اختیار متوجہ ہوتے ہیں اگر سبق کو اس چیز کے ساتھ مشترک کردیا جائے تو نتیجہ اختیاری توجہ ہوگی۔مثال کے طور پر بچہ کھیل کی طرف راغب ہے تو شروع میں کھیل کود اور سبق کو یک جا کردینا چاہئے یا سبق اس طرح پڑھایا جائے کہ بچہ کھیل سمجھ کر اختیاری طور پر متوجہ ہو۔رفتہ رفتہ وہ اسے قبول کرلے گا۔

(۲) طالب علم سن بلوغت میں پڑھتے یا لیکچرز سنتے وقت متوجہ نہ ہو تو چنداں پروانہ کرنی چاہئے کیوں کہ اگر توجہ احساس کی اندرونی تولید کا نام ہے تو پڑھنے کا تعلق صرف آنکھوں سے نہیں، اور سننے کا تعلق صرف کانوں سے نہیں ہے۔پڑھنا — دیکھے اور سنے ہوئے الفاظ کو ذہن میں تلفظ کرنا ہے۔ایسے میں جو شے اندر داخل ہوجائے وہ ضرورت کے وقت کشش پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

راقم الحروف کو بخوبی یاد ہے کہ ایک دفعہ کالج میں صدر مجلس، خطبۂ صدارت پڑھ رہے تھے۔چوں کہ میں ان کی بعض باتوں سے متفق نہیں تھا اس لئے اتفاق نہیں کیا لیکن کچھ عرصہ بعد خود بہ خود میری توجہ

مبذول ہوگئی۔ کسی کے خیال کو رد کر دینا بھی، توجہ میں آتا ہے۔ وہ شے اندر محفوظ ہو جاتی ہے اور وقت پر نمایاں ہوتی ہے۔

بچہ تعلیم میں دل چسپی نہ لے تو مفید طریقہ یہ ہے کہ اسے لاشعور کی حالت میں اشارات دیئے جائیں۔

تجربہ سے ثابت ہے کہ ایسے اشارے مؤثر ہوتے ہیں۔ چناں چہ ماں سوئے ہوئے بچہ کے سرہانے کوئی نصیحت کرے تو آواز بچہ کے دل پر نقش ہوتی ہے۔

انتشار (Distraction): انتشار سے یک سوئی منتشر ہوتی ہے۔ یہ موضوع تجرباتی لحاظ سے بہت دل چسپ ہے۔ بعض کیفیات ایسی ہیں کہ جن میں انتشار کی حالت میں کام کی رفتار کم ہوتی ہے لیکن خاص حالات میں نہ صرف رفتار زیادہ ہوتی ہے بلکہ کام بہتر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر فرد کو کاغذ میں ''و'' اور ''ی'' کے حروف کاٹنے کے لئے کہیں اور تاکید کی جائے کہ کام پوری رفتار سے پندرہ منٹ میں ختم کرنا ہے۔

ایک مشق کے بعد جب تجربہ دہرانے کو کہیں اور اس دوران اس کی توجہ منتشر کرنے کی کوشش کی جائے تو کام متاثر نہیں ہوگا بلکہ رفتار پہلے سے بڑھ جائے گی۔ اس نے انتشار پر غلبہ حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کی اس لئے کام یاب ہوگیا۔ روزمرہ زندگی میں اس جیسی بے شمار مثالیں ہیں۔

انتشار پر غالب آنے کے چند طریقے ہیں۔

(۱) کام کی اہمیت مدنظر ہو، پھر فرد کوشش سے انتشار کو ہر صورت نظر انداز کر دیتا ہے۔ مطالعہ کے وقت کسی شخص کی گفتگو رکاوٹ بنے تو طالب علم بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دے یا ذہن کو کام کے مفہوم میں یک سو کر دینے سے فرد انتشار سے محفوظ رہتا ہے۔

(۲) جو عوامل منتشر کر رہے ہیں، اگر فرد ان کا عادی ہو جائے تو ان کی طرف توجہ مبذول نہیں ہوتی۔ جس طرح اسٹیشن پر رہنے والوں کو گاڑی کا شور متوجہ نہیں کرتا، بڑھئی کو ہتھوڑے کی ضرب ساز محسوس ہوتی ہے، بعض ماں باپ بچوں کے شور وغل کے اتنے عادی ہوتے ہیں کہ انہیں بچوں کا کسی محفل میں شور وغل ناگوار محسوس نہیں ہوتا۔ حالاں کہ یہ شور دیگر لوگوں کے کان بہرے کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۳) بعض اوقات انتشار کو اصل کام سے ملا دیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص ٹائپنگ کرنے والے کے قریب پیانو بجا رہا ہو تو ٹائپنگ کرنے والا پیانو کی آواز اور ٹائپنگ کو ملحق کر دے گا۔ جوں ہی وہ پیانو کی آواز سنے گا، انگلیاں ساز کی مناسبت سے ٹائپ رائٹر کے حروف پر دبائے گا۔ اس صورت میں پیانو کی آواز، جو پہلے ٹائپنگ کرنے والے کو منتشر کر رہی تھی، کام کی رفتار کو بڑھا دے گی۔

متوقع توجہ: اس میں فرد پہلے سے کسی عمل کا منتظر ہوتا ہے اس لئے ردعمل میں کم وقت لیتا ہے۔ دوڑ کے

لئے تیار کھڑے افراد میں سے بعض مقررہ وقت سے پہلے دوڑنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ سیٹی کی آواز کے اس شدت سے منتظر ہوتے ہیں کہ انہیں لگتا ہے کہ سیٹی بجادی گئی ہے۔

اس طریقہ کار روزمرہ معمولات سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دوست کی آمد کے منتظر فرد کو ذرا سی آہٹ دوست کے قدموں کی آواز معلوم ہوتی ہے، بعض اوقات وہ استقبال کے لئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ جنگل میں رات کے وقت سفر کرنے والے کے پتوں کی آواز پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے۔

اسی طرح شکاری معمولی شور کو شکار تصور کرتا ہے۔ وجہ آنے والی چیز کا تصور اور نتیجہ ذہن میں موجود ہونا ہے، اسے ردعمل کے لئے معمولی تحریک کی ضرورت ہوتی ہے۔ الماری میں سے کتاب کو تلاش کرنے کے لئے وہ شخص جو اس کتاب سے بخوبی واقف ہے بہ نسبت اس شخص کے جس نے مذکورہ کتاب کو سرسری نظر سے دیکھا ہے، کم وقت لے گا۔ پہلے شخص کے ذہن میں کتاب کا تصور ہے جو تلاش میں مدد دیتا ہے۔

''متوقع توجہ'' میں ایک اور بات قابل غور ہے۔

اگر دو عوامل دو مختلف اعضائے حس کے سامنے ایک وقت میں لائے جائیں تو وہ بیک وقت تجربہ میں نہیں آتے۔ اگر ایک محرک روشنی ہے اور دوسرا آواز تو روشنی آواز محسوس کرنے کی نسبت پہلے دکھائی دیتی ہے۔ اس کا ایک سبب متوقع توجہ ہے۔ معمول جس عمل کا منتظر ہے، تجربہ میں پہلے وہ آتی ہے۔

تقسیم توجہ: کیا ہم ایک وقت میں دو کام انجام دے سکتے ہیں؟ جی ہاں! ہم ایک وقت میں اکثر دو یا زیادہ کام کرتے ہیں۔ چلتے چلتے سانس لیتے ہیں، دیکھتے ہیں اور باتیں کرتے جاتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ دیکھنے، سانس لینے اور چلنے وغیرہ کو توجہ کی اتنی ضرورت نہیں۔

پھر سوال یہ ہے کہ کیا ہم دو اہم چیزوں کی طرف بیک وقت متوجہ ہو سکتے ہیں—؟

جواب ہاں میں ہے، بشرطے کہ ان بہت سارے کاموں کا تعلق ایک شے سے ہو۔ یا پھر مختلف کاموں کو ایک شے سے ملحق کر دیا جائے۔

ڈرائیور گاڑی چلاتے وقت ایک سے زیادہ اشیا پر مرکوز ہوتا ہے۔ گاڑی چلانے کے ساتھ سڑک اور دوسری گاڑیوں کا خیال رکھتا ہے، ساتھ بیٹھے شخص سے باتیں کرتا ہے، موسیقی سنتا ہے وغیرہ۔

جولیس سیزر کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بیک وقت کئی کاتبوں کو مختلف خطوط لکھواتا تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ پہلے کاتب کو خط لکھوانا شروع کرتا پھر فوراً دوسرے کو۔ اس طرح تمام کاتبوں کو پہلی دفعہ لکھوا کر پھر پہلے کاتب کی طرف آتا یہاں تک کہ تمام خطوط مکمل ہو جاتے۔ یہ عجیب بات ہے لیکن اس کام میں بیک وقت تمام خطوط

کی طرف متوجہ نہیں ہونا پڑتا۔ زیادہ کوشش سے ہر آدمی ایسے کام انجام دے سکتا ہے۔

کسی محقق نے دل چسپ تجربہ کیا۔ وہ نظم اونچی آواز سے پڑھتا اور دل ہی دل میں دوسری نظم دہراتا۔ تجربہ سے معلوم ہوا کہ اگر آدمی ایک وقت میں دو کام کرنے کی مشق کر لے تو دونوں کام مکمل ہونے میں کم وقت لگتا ہے۔ اس نے 212، 12، 13، 42 کو 2 سے ضرب دے کر معلوم کیا کہ یہ تمام عمل چھ سیکنڈ لیتا ہے، اور ایک نظم کے چار اشعار پڑھنے میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے۔ جب دونوں کام ایک وقت میں کئے گئے تو کل وقت پھر بھی چھ سیکنڈ تھا۔

عام فرد کے لئے ایک وقت میں دو سے زیادہ کام اس صورت میں ممکن ہے جب ان کی نوعیت ایک ہو یا ہم ان کاموں کو کرنے کے اتنے عادی ہو جائیں کہ یہ تمام کام معمولی توجہ کے ساتھ ہوتے رہیں۔

البتہ وہ کام جو ایک جیسی توجہ چاہیں ایک وقت میں نہیں ہوتے۔ ہوتا یہ ہے کہ کسی کام کو کرنے کے ہم اتنے عادی ہو جاتے ہیں کہ وہ خود بخود ہوتا رہتا ہے اور وہاں توجہ کی اتنی ضرورت نہیں پڑتی۔ مضمون لکھتے وقت توجہ کبھی لکھنے کی طرف ہوتی ہے اور کبھی فقرہ سوچنے کی طرف۔ اور یہ عمل خود بخود اس تیزی ہوتا ہے کہ ہم شاذ و نادر اس طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

سوال یہ بھی ہے کہ ہم کتنی چیزوں پر ایک وقت میں متوجہ ہو سکتے ہیں؟ اس موضوع پر کئے گئے تجربات، قدیم تجربوں میں سے ہیں۔ چھوٹے ڈبے میں سنگ مرمر کے کچھ ٹکڑے ڈالیں اور ایک دفعہ جھانکنے سے ٹکڑوں کی تعداد معلوم کریں۔ چار یا پانچ ٹکڑے یقیناً نظر آئیں گے لیکن اس سے زیادہ کے متعلق شبہ ہوگا۔

ماہرین نے توجہ کی بحث سے یہ قوانین اخذ کئے ہیں۔

(۱) کلیۂ انتخاب: دو یا زیادہ جوابوں میں سے ایک وقت میں ایک موجود رہتا ہے۔ ایسے کام جو توجہ نہ چاہیں ایک وقت میں دیگر کاموں کے ساتھ خود بخود ہوتے رہتے ہیں لیکن جس میں توجہ کی ضرورت ہو اس کے ساتھ دوسرا کام نہیں ہوتا۔

اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ تقسیم توجہ میں ہم کیوں ایک وقت میں چار مختلف حروف دیکھتے ہیں؟ بظاہر تو یہ اعتراض مناسب ہے لیکن بات یہ ہے کہ یہ مختلف حروف یا رنگ آپس میں اتنے ملتے جلتے اور قریب ہیں کہ ہم توجہ میں ان کو وحدت یا اکائی خیال کرتے ہیں۔ یعنی جب یہ ہمیں نظر آتے ہیں تو مختلف حروف مل کر وحدت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو تو پڑھنا ممکن نہیں۔

(۲) کلیۂ فوقیت: عوامل کے دو یا زیادہ جوابوں میں سے ایک جواب دیگر پر فوقیت رکھتا ہے۔ بعض چیزیں اس قدر دل چسپی کا باعث بن جاتی ہیں کہ ہم ان کی طرف بغیر کسی دقت کے متوجہ ہوتے رہتے ہیں۔

نفسیات کا دل دادہ دوسرے مضامین پر اسے ترجیح دے گا، اس کے لئے الگ سے ذہنی محنت درکار نہیں۔یہی کیفیت اضطراری توجہ کی ہے۔ہم عوامل میں شدت کی وجہ سے خود بخود متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اندھیرے کمرے میں اچانک روشنی نمودار ہوتو فطری طور پر اپنی طرف متوجہ کرلے گی۔

(۳) کلیۂ انتقال : جو جواب دوسروں پر فوقیت حاصل کر لیتا ہے کچھ عرصہ بعد اس کی یہ صفت منقطع ہوجاتی ہے اور دوسرے عوامل کو نمایاں ہونے کا موقع ملتاہے۔شرط یہ ہے کہ اس مدت میں حالات وہی رہیں۔توجہ کی مختلف حرکات، دوچشمی مزاحمت اور انتشار سے متعلق ہم پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح ایک جواب دوسرے پر فوقیت حاصل کر کے کچھ عرصہ بعد پھر پہلے جواب یا کسی اور جواب کو اپنے پر ترجیح دیتا ہے۔

ارتکازِ توجہ: یہ توجہ کی خاص حالت ہے جس میں کہیں جدوجہد کا دخل ہے اور بعض حالات میں نہیں۔بیٹھے بیٹھے سوچ میں گم ہوجانا ارتکازِ توجہ کا وہ شعبہ ہے جس میں محنت درکار نہیں۔ارتکاز ایسی مشق ہے جس سے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے جاسکتے ہیں۔اس کا بہترین وقت نیند سے ذرا پہلے یا جاگنے کے فوراً بعد ہے۔

جیسے سونے سے پہلے توجہ ایک موضوع (مثلاً باطنی دنیا وغیرہ) پر ہو۔تقریباً نصف گھنٹے تک خیالات اس پر مرکوز رکھیں۔اس کے بعد قدرے آرام سے غور کریں کہ کون سے خیالات دماغ میں آتے ہیں اور انہیں لکھتے جائیں۔

تین ہفتہ متواتر مشق سے نتائج دیکھئے۔

اچھی کتاب کا کوئی فقرہ پڑھیں۔فقرہ یا اس کے مفہوم کو زبانی یاد یا تحریر میں لانے کی کوشش کریں۔ جب فقرہ زبانی یاد ہو جائے اور اس کے خیالات دل میں نقش ہوجائیں تو یہی مشق بہت سے فقروں کے ساتھ کرنی چاہئے۔اس کے بعد یہ مشق پوری کتاب کے ساتھ کی جائے۔یعنی خیالات دل میں نقش ہو جائیں۔ارتکازِ توجہ اور یادداشت قوی کرنے کے لئے یہ بہترین مشقوں میں سے ایک ہے۔

اس مضمون میں جو بات تشریح طلب ہو، آپ ادارہ کو لکھ سکتے ہیں۔

پڑھنے میں دل نہ لگنا

جب بچہ رات کو گہری نیند سوجائے تو اس کے سرہانے بیٹھ کر،

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ

اتنی آواز سے پڑھیں کہ بچہ کی نیند خراب نہ ہو۔

علاج کی مدت ایک ماہ ہے۔

(کتاب: روحانی علاج)

خواجہ حسن نظامی
(1879-1955)

بنت بہادر شاہ

ملک تو اللہ کا ہے، کسی کے باوا کا نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے، چھین لیتا ہے۔ آدمی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

یہ ایسی خاتون کی سچی کہانی ہے جو زمانہ کی گردش سے ان پر گزری۔ ان کا نام کلثوم زمانی بیگم ہے۔ یہ دہلی کے آخری مغل بادشاہ ابوظفر بہادر شاہ کی لاڈلی بیٹی تھیں۔ چند سال ہوئے ان کا انتقال ہوگیا۔ میں نے بارہا شہزادی صاحبہ سے خود ان کی زبانی ان کے حالات سنے ہیں کیوں کہ ان کو ہمارے مرشد — خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ کی خانقاہ سے خاص عقیدت تھی۔ اس لئے اکثر حاضر ہوتی تھیں اور مجھ کو ان کی دردناک باتیں سننے کا موقع ملتا تھا۔ مضمون میں جس قدر واقعات لکھے گئے ہیں وہ یا تو خود ان کی بیان کردہ باتیں ہیں یا ان کی صاحب زادی زینب زمانی بیگم کی۔

جس رات میرے بابا جان کی بادشاہت ختم ہوئی اور تاج و تخت لٹنے کا وقت قریب آیا تو دہلی کے لال قلعہ میں کہرام مچا ہوا تھا۔ در و دیوار پر حسرت برستی تھی، اجلے اجلے سنگ مرمر کے مکان کالے سیاہ نظر آتے تھے۔ تین وقت سے کسی نے کچھ نہ کھایا تھا۔ زینب میری گود میں ڈیڑھ برس کی تھی اور دودھ کے لئے بلکتی تھی۔ فکر اور پریشانی کے مارے نہ میرے دودھ رہا تھا نہ کسی انا (دایہ) کے۔ ہم سب یاس و ہراس (ناامیدی اور خوف) کے عالم میں بیٹھے تھے کہ ظل سبحانی (بہادر شاہ ظفر) کا خاص خواجہ سرا بلانے آیا۔ آدھی رات کا وقت، سناٹے کا عالم، گولوں کی گرج سے دل سہمے جاتے تھے لیکن حکم سلطانی ملتے ہی حاضری کے لئے روانہ ہوگئے۔ وہ مصلے پر تشریف رکھتے تھے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی۔

میں جب سامنے پہنچی تو انہوں نے نہایت شفقت سے قریب بلایا اور فرمانے لگے، ''کلثوم لو اب تم کو اللہ کو سونپا۔ قسمت میں ہے تو پھر دیکھ لیں گے۔ تم اپنے خاوند کو لے کر فوراً کہیں چلی جاؤ، میں بھی جاتا ہوں۔ جی تو نہیں چاہتا اس آخری وقت میں تم بچوں کو آنکھ سے اوجھل ہونے دوں، پر کیا کروں ساتھ رکھنے میں تمہاری بربادی کا اندیشہ ہے۔ الگ رہو گی تو شاید کوئی بہتری کا سامان پیدا ہو جائے۔''

اتنا فرما کر ہاتھ دعا کے لئے بلند کئے جو رعشہ کے سبب کانپ رہے تھے۔ دیر تک آواز سے بارگاہ الٰہی میں

عرض کرتے رہے کہ ’’خداوندیہ بے وارث بچے تیرے حوالہ کرتا ہوں۔ یہ محلوں کے رہنے والے جنگل ویرانوں میں جاتے ہیں، دنیا میں ان کا کوئی یار و مددگار نہیں، تیمور کے نام کی عزت رکھیو اور ان بے کس عورتوں کی آبرو بچائیو۔ پروردگار! یہی نہیں تمام ہندوستان کے لوگ میری اولاد ہیں اور آج کل سب پر مصیبت چھائی ہوئی ہے۔ میرے اعمال کی شامت سے ان کو رسوا نہ کر اور سب کو پریشانیوں سے نجات دے۔‘‘ اس کے بعد میرے سر پر ہاتھ رکھا۔ زینب کو پیار کیا اور میرے خاوند مرزا ضیاء الدین کو کچھ جواہرات عنایت کر کے نور محل صاحبہ کو بھی ہم راہ کر دیا جو حضور کی بیگم تھیں۔

پچھلی رات کو ہمارا قافلہ قلعہ سے نکلا جس میں دو مرد اور تین عورتیں تھیں۔ مردوں میں ایک میرے خاوند مرزا ضیاء الدین اور دوسرے مرزا عمر سلطان، بادشاہ کے بہنوئی تھے۔ عورتوں میں ایک میں، دوسری نواب نور محل، تیسری حافظہ سلطان، بادشاہ کی سمدھن تھیں۔ جس وقت ہم لوگ رتھ (گھوڑا گاڑی) میں سوار ہونے لگے صبح صادق کا وقت تھا، تارے چھپ گئے تھے مگر فجر کا تارا جھلملا رہا تھا۔ ہم نے اپنے بھرے پرے گھر پر اور سلطانی محلوں پر آخری نظر ڈالی تو دل بھر آیا اور آنسو امنڈنے لگے۔ نواب نور محل کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے اور پلکیں بوجھ سے کانپ رہی تھیں گویا صبح کے ستارے کا جھلملانا نور محل کی آنکھوں میں نظر آتا تھا۔

آخر کار لال قلعہ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو کر کورالی گاؤں پہنچے اور وہاں اپنے رتھ بان کے مکان پر قیام کیا۔ باجرے کی روٹی اور چھاچھ کھانے کو میسر آئی اور اس وقت بھوک میں یہ چیزیں بریانی تنجن سے زیادہ مزے دار معلوم ہوئیں۔

ایک دن رات تو امن سے بسر ہوا مگر دوسرے دن گردونواح کے جاٹ گوجر جمع ہو کر کورالی کو لوٹنے آ گئے۔ سینکڑوں عورتیں ان لٹیروں کے ساتھ تھیں جو چڑیلوں کی طرح ہم کو چمٹ گئیں۔ تمام زیور اور کپڑے ان کم بختوں نے اتار لئے۔ جس وقت یہ موٹے موٹے میلے ہاتھوں سے ہمارے گلے کو نوچتی تھیں تو ان کے لہنگوں سے ایسی بدبو آتی تھی کہ دم گھٹنے لگتا تھا۔

اس لوٹ کے بعد ہمارے پاس اتنا بھی باقی نہ رہا جو ایک وقت کی روٹی کو کافی ہوتا۔ حیران تھے کہ دیکھئے اب کیا پیش آئے گا۔ زینب پیاس کے مارے رو رہی تھی۔ سامنے سے ایک زمین دار نکلا، میں نے بے اختیار ہو کر آواز دی، بھائی تھوڑا پانی اس بچی کو لا دے۔

زمین دار فوراً مٹی کے برتن میں پانی لایا اور بولا، آج سے تو میری بہن اور میں تیرا بھائی۔ یہ زمین دار کورالی کا کھاتا پیتا آدمی تھا۔ اس کا نام بستی تھا۔ اس نے اپنی بیل گاڑی تیار کر کے ہم کو سوار کرایا اور پوچھا کہ جہاں کہو پہنچا دوں۔ ہم نے کہا کہ اجاڑہ ضلع میرٹھ میں میر فیض علی شاہی حکیم رہتے ہیں جن سے ہمارے خاندان کے خاص مراسم ہیں، وہاں لے چل۔

بستی ہم کو اجاڑہ لے گیا مگر فیض علی نے ایسی بے

مروتی برتی جس کی حد نہیں۔ صاف کانوں پر ہاتھ رکھ لئے کہ تم لوگوں کو ٹھہرا کر اپنا گھر بار تباہ کرنا نہیں چاہتا۔

وہ وقت بڑی مایوسی کا تھا۔ زمین آسمان میں کہیں ٹھکانا نظر نہ آتا تھا۔ ایک تو یہ خطرہ کہ پیچھے سے انگریز فوج آتی ہوگی۔ اس پر بے سروسامانی کا یہ عالم کہ ہر شخص کی نگاہ پھری ہوئی تھی۔ وہ لوگ جو ہماری آنکھوں کے اشاروں پر چلتے اور ہر وقت دیکھتے رہتے تھے کہ ہم جو کچھ حکم دیں فوراً پورا کیا جائے، وہی آج ہماری صورت سے بیزار تھے۔ شاباش ہے بستی زمین دار کو کہ اس نے فقط زبانی بہن کہنے کو آخر تک نبھایا اور ہمارا ساتھ نہ چھوڑا۔

لاچار اجاڑہ سے روانہ ہوئے اور حیدرآباد کا رخ کیا۔ عورتیں بستی کی گاڑی میں سوار تھیں اور مرد پیدل چلتے تھے۔ تیسرے روز ایک ندی کے کنارے پہنچے جہاں کوئل کے نواب کی فوج پڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے سنا کہ ہم شاہی خاندان کے آدمی ہیں تو بڑی خاطر کی اور ہاتھی پر سوار کر کے ندی سے پار اتارا۔ ابھی ہم ندی کے کنارے اترے ہی تھے کہ سامنے سے انگریزی فوج آ گئی اور نواب کی فوج سے لڑائی ہونے لگی۔

میرے خاوند اور مرزا عمر سلطان نے چاہا کہ نواب کی فوج میں شامل ہو کر لڑیں مگر رسالدار نے کہلا بھیجا کہ آپ عورتوں کو لے کر جلدی چلے جائیے، ہم جیسا موقع ہوگا بھگت لیں گے۔

سامنے کھیت تھے جن پر پکی ہوئی تیار کھیتی کھڑی تھی ہم لوگ اس کے اندر چھپ گئے۔ ظالموں نے خبر نہیں، دیکھ لیا تھا یا نا گہانی طور پر گولی لگی۔ جو کچھ بھی ہوا ایک گولی کھیت میں آئی جس سے آگ بھڑک اٹھی اور تمام کھیت جلنے لگا ہم لوگ وہاں سے نکل کر بھاگے۔ پر ہائے کیسی مصیبت تھی— ہم کو بھاگنا بھی نہ آتا تھا۔ گھاس میں الجھ الجھ کر گرتے تھے، سر کی چادریں وہیں رہ گئیں۔ برہنہ سر حواس باختہ کھیت سے باہر آئے۔ میرے اور نواب نور محل کے پاؤں خونم خون ہو گئے۔ پیاس کے مارے زبانیں باہر نکل آئیں۔ زینب پر غشی کا عالم تھا۔ مرد ہم کو سنبھالتے تھے مگر میرا سنبھلنا مشکل تھا۔

نواب نور محل تو کھیت سے نکلتے ہی چکرا کر گر پڑیں، اور بے ہوش ہو گئیں۔ میں زینب کو چھاتی سے لگائے اپنے خاوند کا منہ تک رہی تھی اور دل میں کہتی تھی کہ الٰہی ہم کہاں جائیں۔ کہیں سہارا نظر نہیں آتا۔ قسمت ایسی پلٹی کہ شاہی سے گدائی ہو گئی۔ لیکن فقیروں کو بھی چین اور اطمینان ہوتا ہے، یہاں وہ بھی نصیب نہیں۔

فوج لڑتی ہوئی دور نکل گئی تھی۔ بستی ندی سے پانی لایا۔ ہم نے پیا اور نواب نور محل کے چہرہ پر چھڑکا۔ نور محل نے آنکھ کھولی تو میں نے پوچھا، اچھی ماں جان اٹھئے آپ کا کیا حال ہے۔ یہ سن کر نور محل رونے لگیں اور بولیں، ابھی خواب میں تمہارے بابا جان ظل سبحانی کو دیکھا ہے، طوق و زنجیر پہنے ہوئے کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج ہم غریبوں کے لئے یہ کانٹوں بھرا خاک کا بچھونا مخملی فرش سے بڑھ کر ہے۔ نور محل گھبرانا نہیں، ہمت

سے کام لینا، تقدیر میں لکھا تھا کہ بڑھاپے میں یہ سختیاں برداشت کروں۔ ذرا میری کلثوم کو دکھا دو۔ میں جیل خانہ جانے سے پہلے اس کو دیکھوں گا۔

بادشاہ کی یہ باتیں سن کر میں نے ہائے کا نعرہ مارا اور آنکھ کھل گئی۔ کلثوم کیا سچ مچ ہمارے شاہ کو زنجیروں میں جکڑا گیا ہوگا۔ کیا واقعی وہ قیدیوں کی طرح جیل خانہ بھیجے گئے ہوں گے —؟ مرزا عمر سلطان نے اس کا جواب دیا کہ یہ خواب و خیال ہے، بادشاہ لوگ بادشاہوں کے ساتھ ایسی بدسلوکی نہیں کیا کرتے، تم گھبراؤ نہیں وہ اچھے حال میں ہوں گے۔

بادشاہ کی سمدھن حافظہ سلطان بولیں، یہ موئے فرنگی بادشاہوں کی قدر کیا خاک جانیں گے، خود اپنے بادشاہ کا سر کاٹ کر سولہ آنے کو بیچتے ہیں۔ بوا نور محل! تم نے تو طوق و زنجیر پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

میرے شوہر مرزا ضیاء الدین نے تسکین و دلاسے کی باتیں کر کے سب کو مطمئن کر دیا۔ اتنے میں بستی ناؤ میں گاڑی کو اس پار لے آیا اور ہم سوار ہو کر روانہ ہوئے۔

تھوڑی دور جا کر شام ہوگئی اور ہماری گاڑی ایک گاؤں میں جا کر ٹھہری جہاں مسلمان راجپوتوں کی آبادی تھی۔ گاؤں کے نمبردار نے ایک چھپر ہمارے واسطہ خالی کرا دیا جس میں سوکھی گھاس اور پھونس کا بچھونا تھا۔ وہ لوگ اسی گھاس پر جس کو پیال یا پرال کہتے تھے سوتے ہیں۔ ہم کو بھی بڑی خاطر داری سے (جوان کے خیال میں بڑی خاطر تھی) یہ نرم بچھونا دیا گیا۔ میرا تو اس کوڑے سے جی الجھنے لگا پر کیا کرتے اس وقت سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ ناچار اسی میں پڑ رہے۔

دن بھر کی تکلیف اور تکان کے بعد اطمینان اور بے فکری میسر آئی تھی کہ آدھی رات کو ہم سب کی آنکھ کھل گئی۔ گھاس کے تنکے سوئیوں کی طرح بدن میں چبھ رہے تھے اور پسّو جگہ جگہ کاٹ رہے تھے۔ اس وقت کی بے کلی بھی اللہ کی پناہ! پسّوؤں نے تمام بدن میں آگ لگا دی تھی۔

مخملی تکیوں ریشمی نرم نرم بچھونوں کی عادت تھی۔ اس لئے تکلیف ہوئی ورنہ ہمارے جیسے وہ گاؤں کے آدمی تھے جو بے غِلّ و غش (بلا تکلف) اسی گھاس پر پڑے سوتے تھے۔ اندھیری رات میں چاروں طرف سے گیدڑوں کی آوازیں آرہی تھی اور میرا دل سہما جاتا تھا۔

قسمت کو پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ ایک دن شہنشاہ ہند کے بال بچے یوں خاک پر بسیرے لیتے پھریں گے۔ قصہ مختصر اسی طرح منزل بہ منزل تقدیر کی گردش کا تماشا دیکھتے ہوئے حیدرآباد پہنچے۔ اور سیتا رام پیٹھ (ہفتہ وار بازار) میں ایک مکان کرایہ پر لے کر ٹھہرے۔

جبل پور میں میرے شوہر نے ایک جڑاؤ انگوٹھی جو لوٹ کھسوٹ میں میرے پاس رہ گئی تھی، فروخت کی۔ اسی میں راستہ کا خرچ چلا اور چند روز یہاں بھی بسر ہوئے۔ آخر جو کچھ تھا وہ ختم ہو گیا۔ اب فکر ہوئی کہ پیٹ بھرنے کا کیا حیلہ کیا جائے۔

میرے شوہر اعلیٰ درجہ کے خوش نویس تھے۔ انہوں نے درود شریف خطِ حیران میں لکھا اور چار منار پر ہدیہ کرنے لے گئے۔ لوگ اس خط کو دیکھتے تھے اور حیرت میں پڑ جاتے تھے۔ اول روز ہدیہ پانچ روپیہ تھا۔

اس کے بعد یہ قاعدہ ہو گیا کہ جو کچھ لکھتے کمتی بڑھتی فوراً بک جاتا۔ اسی طرح ہماری گزر اوقات بہت عمدگی سے ہونے لگی۔ لیکن موسیٰ ندی کے چڑھاؤ سے ڈر کر شہر میں داروغہ احمد کے مکان میں اٹھ آئے۔ یہ شخص نظام کا خاص ملازم تھا۔ اس کے بہت سے مکان کرایہ پر چلتے تھے۔

چند روز کے بعد خبر اڑی کہ نواب لشکر جنگ جس نے شہزادوں کو اپنے ہاں پناہ دی تھی، انگریزوں کے عتاب میں آ گیا ہے اور اب کوئی شخص دہلی کے شہزادوں کو اپنے پاس پناہ نہیں دے گا بلکہ جس کو کسی شہزادہ کی خبر ملے گی اس کو گرفتار کرانے کی کوشش کرے گا۔

ہم سب اس خبر سے گھبرا گئے اور میں نے اپنے شوہر کو باہر نکلنے سے روک دیا کہ کہیں کوئی دشمن پکڑوا نہ دے۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے فاقوں کی نوبت آ گئی تو ناچار ایک نواب کے لڑکے کو قرآن پڑھانے کی نوکری میرے شوہر نے بارہ روپیہ ماہوار پر کر لی۔ چپ چاپ اس کے گھر چلے جاتے اور پڑھا کر آ جاتے۔ مگر وہ نواب اس قدر بدمزاج تھا کہ ہمیشہ معمولی نوکروں کی طرح میرے شوہر کے ساتھ برتاؤ کرتا تھا۔ وہ یہ برداشت نہ کر سکے اور گھر میں آ کر رو رو کر دعا مانگتے۔ یا الٰہی! اس ذلت سے تو موت لاکھ درجے بڑھ کر ہے، تو نے اتنا محتاج بنا دیا ہے کہ کل اس نواب جیسے سینکڑوں ہمارے غلام تھے اور آج ہم اس کے غلام ہیں۔

اسی اثنا میں کسی نے میاں نظام الدین صاحب سے ہماری خبر کر دی۔ میاں کی حیدرآباد میں بڑی عزت تھی۔ کیوں کہ وہ حضرت کالے میاں صاحب چشتی نظامی فخری کے صاحب زادہ تھے۔ ان کو بادشاہ دہلی اور نظام اپنا پیر تصور کرتے تھے۔ میاں رات کے وقت میانے میں سوار ہو کر ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم کو دیکھ کر بہت روئے۔ ایک زمانہ تھا جب وہ قلعہ میں تشریف لاتے تھے تو مسند نگار پر بٹھائے جاتے تھے۔ بادشاہ بیگم اپنے ہاتھ سے لونڈیوں کی طرح مگس رانی (مکھیاں بھگانے کے لئے پنکھاں جھلنا) کرتی تھیں۔

آج وہ ہمارے گھر میں آئے تو ثابت بوریا بھی نہ تھا جس پر وہ آرام سے بیٹھ جاتے۔ پچھلا زمانہ آنکھوں میں پھرنے لگا۔ خدا کی شان! کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ میاں بہت دیر تک حالات دریافت فرماتے رہے، اس کے بعد تشریف لے گئے۔

صبح پیام آیا کہ ہم نے خرچ کا انتظام کروا دیا ہے۔ اب تم حج کا ارادہ کر لو، یہ سن کر جی باغ باغ ہو گیا اور مکہ معظّمہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ القصہ حیدرآباد روانہ ہو کر بمبئی آئے اور یہاں اپنے سچے رفیق بستی کو خرچ دے کر اس کے گھر رخصت کر دیا۔

جہاز میں سوار ہوئے تو جو مسافر یہ سنتا کہ ہم شاہ ہند

کے گھرانے کے ہیں، ہمارے دیکھنے کا شوق ظاہر کرتا۔ اس وقت ہم سب درویشانہ رنگیں لباس میں تھے۔ ایک ہندو نے (جس کی شاید عدن میں دکان تھی اور جو ہمارے حال سے بے خبر تھا) پوچھا کہ تم لوگ کس پنتھ (مذہب) کے فقیر ہو۔

اس کے سوال نے زخمی دل کو چھیڑ دیا۔

میں بولی، ہم مظلوم شاہ گرو کے چیلے ہیں، وہی ہمارا باپ تھا اور وہی ہمارا گرو۔ پاپی لوگوں نے اس کا گھر بار چھین لیا اور ہم کو اس سے جدا کر کے جنگلوں میں نکال دیا۔ اب وہ ہماری صورت کو ترستا ہے اور ہم اس کے درشن کے بغیر بے چین ہیں۔ اس سے زیادہ اور کیا اپنی فقیری کی حقیقت بیان کریں۔

جب اس نے حقیقت لوگوں سے سنی تو رونے لگا اور بولا، بہادر شاہ ہم سب کا باپ اور گرو تھا، کیا کریں رام جی کی یہی مرضی تھی کہ وہ بے گناہ برباد ہو گیا۔

مکہ پہنچے تو اللہ میاں نے ٹھہرنے کا عجیب ٹھکانا پیدا کر دیا۔ عبدالقادر نامی میرا ایک غلام تھا جس کو میں نے آزاد کر کے مکہ بھیج دیا تھا۔ یہاں اس نے بڑی دولت کمائی اور زمزم کا داروغہ ہو گیا۔ ہمارے آنے کی خبر ملی تو دوڑا ہوا آیا اور قدموں میں گر کر خوب رویا۔ اس کا مکان بہت اچھا اور آرام دہ تھا۔ ہم سب وہیں ٹھہرے۔

چند روز بعد سلطان روم کے نائب کو جو مکہ میں رہتا ہے، ہماری خبر ہوئی تو وہ بھی ملنے آیا۔ کسی نے اس سے کہا تھا کہ شاہ دہلی کی لڑکی آئی ہے۔

نائب سلطان نے عبدالقادر کے ذریعہ سے ملاقات کا پیام دیا، میں نے منظور کیا اور دوسرے دن وہ ہمارے گھر پر آیا اور نہایت ادب قاعدہ سے بات چیت کی۔ آخر میں اس نے خواہش کی کہ میں آپ کے آنے کی اطلاع حضور سلطان کو دینا چاہتا ہوں۔

میں نے اس کا جواب بہت بے پروائی سے دیا اور کہا کہ اب ہم ایک بڑے سلطان کے دربار میں آ گئے ہیں، ہم کو کسی دوسرے سلطان کی پروا نہیں۔

نائب نے معقول رقم ہمارے اخراجات کے لئے مقرر کر دی۔ ہم نو برس وہاں مقیم رہے۔ اس کے بعد ایک سال بغداد اور ایک سال نجف و کربلا میں بسر کیا۔

اتنی مدت کے بعد دہلی کی یاد نے بے چین کیا اور روانہ ہو کر دہلی آ گئے۔ یہاں انگریزوں کی سرکار نے بہت بڑا ترس کھا کر دس روپیہ ماہوار پنشن مقرر کر دی۔ اس پنشن کی رقم کو سن کر اول تو مجھے ہنسی آئی کہ میرے باپ کا اتنا بڑا ملک لے کر دس روپیہ معاوضہ دیتے ہیں مگر پھر خیال آیا کہ ملک تو اللہ کا ہے، کسی کے باوا کا نہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے، دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے، چھین لیتا ہے۔ آدمی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

یہ قصہ جس میں ایک حرف بھی فرضی نہیں، یہیں ختم کیا جاتا ہے۔ خدا کو منظور ہے تو کبھی ان شہزادی صاحبہ کے وہ دردناک حالات جوان کورنگون کے سفر اور باپ کی قبر کی زیارت کے دوران میں پیش آئے لکھے جائیں گے۔

عائشہ خان

مرشد کی باتیں (۲)

مرید نے مرشد کریم کی والدہ کو نہیں دیکھا البتہ نہیں معلوم کب غیر محسوس طریقہ سے لاشعوری طور پر ان سے انسیت پیدا ہوگئی۔ پھر ایک روز خیال آیا کہ کاش میرا تعلق قائم ہو۔

آواز خواب میں بھی آتی ہے اور خیال میں بھی۔ خواب میں آواز کے ساتھ حالات وواقعات کا مشاہدہ ہوتا ہے جب کہ خیال میں الوژن کی گنجائش خواب سے زیادہ ہے ــــ وجہ معنی پہنانا ہے۔ عالم ناسوت میں خیال میں معنی پہنائے جاتے ہیں جب کہ خواب میں ہو بہو عمل ہوتا ہے لیکن یہ عمل بیداری میں غالب طرز فکر کے زیر اثر ہے۔ آسان الفاظ میں کہیں گے کہ فرد کو نیند کے اس پار وہی معاملات پیش آتے ہیں جن کی طرف وہ بیداری میں متوجہ ہے۔

اطلاع یا خیال کا تعلق اندر کی دنیا سے ہے۔ آدمی جب بیداری میں خیال میں پنہاں نقوش دیکھتا ہے تو اس دوران مادی دنیا آنکھوں کے سامنے رہتی ہے یعنی ذہن الوژن کے حصار میں ہے اس لئے وہ خیال کو نہیں، ذہن کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔ ایسے فرد کو نیند کی دنیا میں مظاہر روشنی کے بجائے مادی طرز پر نظر آتے ہیں۔

وہ اکثر سوچتا تھا کہ مجھے خواب میں اجسام مٹی جیسے نظر کیوں آتے ہیں، وہ تو روشنی کی دنیا ہے۔ پھر ایک روز آواز نے بتایا کہ نیند کی دنیا بیداری کا عکس ہے۔ جب نظر بیدار نہ ہو تو فرد نیند کے اس پار اپنے ذہن یعنی الوژن کے دیکھنے کو دیکھتا ہے۔

کہیں پڑھا تھا کہ اگر گزشتہ رات کے خواب پراگندہ ہوں تو سمجھ لینا چاہئے کہ دل حقیقت سے دور ہے۔

قانون: بندہ عالم ناسوت میں رہتے ہوئے خیال میں معنی نہ پہنائے اور اطلاع کو من وعن قبول کرنا سیکھ لے تو ناسوت میں رہتے ہوئے، وہ دوسرے عالم میں داخل ہو جائے گا۔

نشیب وفراز راستہ کا حصہ ہیں ــــ راستہ طریقت کا ہو تو منزل اس وقت ملتی ہے جب بندہ دونوں سے گزر جاتا ہے۔ خوشی اور ناخوشی کا کھیل اتنی مرتبہ دہرایا جا چکا ہے کہ اب لگتا ہے کہ یہ دونوں بے معنی ہیں۔ جب تک فرد خوشی ناخوشی کی غلام گردش سے نہیں نکلتا، شکوک وشبہات میں رہتا ہے۔

اگرچہ وہ پہلے کی بہ نسبت بہت پرسکون ہے اور ''یہ

کیوں ہوا؟'' جیسے سوالوں سے بہت حد تک نکل آیا ہے لیکن کبھی کبھی پرانی طبیعت لوٹ آتی ہے۔

عرض کیا، حضور! لگتا ہے کہ میرے اندر جذباتیت ابھی ختم نہیں ہوئی ہے۔

فرمایا، جذباتیت ہونی چاہئے۔ جذبات ختم نہیں کئے جاتے، ان میں اعتدال قائم کیا جاتا ہے۔

اس نے سوچا کہ شیخ نے تو دو جملوں میں تربیت کا اصول بیان کر دیا۔ جذبات میں اعتدال کیا ہے—؟

جن دنوں اس سوال پر غور کر رہا تھا، یہ واقعہ پیش آیا۔

خیال آیا کہ محبوب نے دوری اختیار کر لی ہے۔

سوچ غالب ہونے سے حالات اور ہر بات کو اسی تناظر میں دیکھا۔ بوجھ برداشت سے باہر ہوا تو دل ہی دل میں گلہ کیا کہ مجھے اس بیابان میں تنہا کر دیا! کیفیت اس حد تک بڑھی کہ ذہن سن اور دل تعلق خاطر کو محسوس نہ کر سکا۔ اس دوران اندر میں سے آواز آئی کہ سب سب شیطانی خیال ہے۔

صاحب دل نے فرمایا تھا— طریقت دشوار ہے کہ اس راستہ میں انا پر ضرب پڑتی ہے۔ ایسے میں مرشد کے معاملہ میں ہمیشہ احتیاط سے کام لینا چاہئے کہ شیطان موقع کی تاک میں رہتا ہے۔ ذہن میں شک آئے، سمجھ جانا آدمی کے سب سے ''مخلص دوست نما شیطان'' کی کارفرمائی ہے۔

بات میں نزاکت حالات سے گزرنے کے بعد سمجھ میں آئی۔ جب وہ شیطانی سوچ سے نہیں نکل سکا تو پھر یاد کرتے کرتے ایک روز اس حد تک مایوس ہوا کہ اس نے یاد کرنا چھوڑ دیا۔

ٹھیک اس رات خواب دیکھا— شیخ طریقت کے پاس بیٹھا قرآن کریم پڑھ رہا ہے مگر چار سطروں سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ حیران کن طور پر جو لفظ پڑھتا، پڑھنا بھول جاتا۔ ادائیگی ذہن میں آتے ہی لفظ غائب ہو جاتے۔ تعجب ہوا کہ جو کچھ پڑھ رہا ہوں، اس میں قانون مجھے ازبر تھے پھر کیسے بھول گیا—؟

اس دوران ذہن میں دوری والی بات موجود تھی لیکن اظہار نہیں کیا اور خاموشی سے کوشش کرتا رہا۔ پھر احساس ہوا کہ میں صاحب طریقت کا وقت ضائع کر رہا ہوں۔

وہ خاموشی سے منتظر تھے۔

عرض کیا، حضور مشق کی ضرورت ہے، مشق کے بعد قرآن سناؤں گا۔ شیخ نے اثبات میں سر ہلایا۔

جب وہ جانے لگا تو انہوں نے اشارہ سے روکا، اور محبت سے پاس بٹھایا۔ یکا یک خواب میں ہی اندر میں سرزنش ہوئی۔ آواز نے کہا، تم نے جو سوچا وہ الوژن ہے، مرشد — مرید سے محبت کرتا ہے۔

اگلے روز خواب بتایا، کریم مرشد پلک جھپکائے بغیر خواب سن رہے تھے۔ اس نے نادانی پر معافی مانگی اور عرض کیا کہ بعض اوقات اپنی سوچ سے خوف آتا ہے۔

بہت شفقت سے فرمایا، ''اگلی پچھلی ساری کوتاہیاں معاف!'' اور ہنس پڑے۔

وزن ـــ بے وزن ہو گیا۔

جیسے ذہن دھل کر صاف ہو گیا ہو۔

اس نے سوچا کہ یہ سب کیا ہوا ـــ؟

عرض کیا، جانتے ہوئے کہ سوچ صحیح نہیں ہے، مایوسی سے نکلنے میں وقت کیوں لگتا ہے ـــ؟

ارشاد فرمایا، پہلی بات یہ ہے کہ شیطان ہمیشہ راہ سے بے راہ کرنے کی کوشش میں رہتا ہے۔ مایوسی کے خول کو توڑنے کے لئے ارادہ میں مضبوطی نہیں تھی۔ اب مشق ہو گئی کہ جب کبھی منفی خیال آئے، سمجھ جاؤ شیطانی عمل ہے۔ اچھی بات یہ ہے کہ آپ غلطی فوراً تسلیم کرتے ہیں اور سمجھانے پر بات سمجھ جاتے ہیں۔

آخر میں لہجہ پر زور دیتے ہوئے فرمایا،

بس ایک بات یاد رکھو!

عرض کیا، جی حضور!

فرمایا، اپنا ''سبق'' نہیں بھولنا!

مرید کا سبق مرشد کو یاد کرنا ہے، اور الوژن کے زیر اثر اس نے یہ سبق کچھ وقت کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ ندامت اور شرمندگی بیان سے باہر ہے۔

اس واقعہ کے بعد منفی خیالات وقتاً فوقتاً آتے رہے لیکن اب وہ پہلے سے زیادہ محتاط تھا، ٹھہرنے کے بجائے یا حی یا قیوم کا ورد شروع کر دیا۔ ناموافق حالات اور منفی باتوں کو نظر انداز کرنے کی مشق سے طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا ہوا اور اندر میں سکون اتر گیا۔

تجربہ ادراک بنا کہ منفی باتیں کس قدر الجھا ہوا جال ہے۔ غلطی دہرانے سے محفوظ رہنے کے لئے کیفیات پر توجہ دینا شروع کی کہ دل پر دباؤ کس وقت بڑھتا ہے۔ دباؤ کا مطلب دوری ہے ـــ قربت میں لطافت ہے۔

جب منفی خیال آیا، اس نے اس پر غور کیا، یک دم دل بھاری ہو گیا۔ جیسے ہی اس خیال کو نظر انداز کیا، اگلے لمحہ دل ہلکا ہو گیا۔ فرق معلوم ہوا کہ ہم کس طرح اپنے ساتھ زیادتی کرتے ہیں۔ اس سارے تجربہ نے سکھایا کہ وزن کو بے وزن کرنے کی صلاحیت تعمیل حکم اور سبق یاد رکھنے میں ہے۔

محاسبہ کرنے اور اندر کی دنیا میں غور کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ جس امر کی نیت کرتا ہے، خالق کائنات کی مہربانی سے ہر مظہر اس کی تکمیل میں مددگار بن جاتا ہے۔ جب سے اس نے سوچا ہے کہ دل پر بوجھ ہونے کی کیفیت سے محفوظ رہنا ہے، دل بھاری ہوتے ہی اندر باہر الارم بجنا شروع ہو جاتے ہیں۔

خواب میں رموز روشن ہونے کا سلسلہ پہلے سے بڑھ گیا ہے۔ جو خواب حافظہ میں رہ جاتے ہیں، ان میں واقعات کا تسلسل اور ترتیب یاد رہتی ہے جیسے خواب نہیں، بیداری میں منظر بہ منظر فلم دیکھ رہا ہو۔ آنکھ کھلنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ وہ نیند میں نہیں، نیند اور بیداری کی درمیانی کیفیت میں تھا۔

خیال نے کہا، خواب ترتیب میں یاد رہنے کا مطلب

نفس مغلوب اور قلب غالب ہونا ہے۔

اصلاح حال کے بعد ایک اور خواب دیکھا۔

مرید نے مرشد کریم کی والدہ کو نہیں دیکھا البتہ نہیں معلوم کب غیر محسوس طریقہ سے لاشعوری طور پر ان سے انسیت پیدا ہوگئی۔ پھر ایک روز خیال آیا کہ کاش میرا تعلق قائم ہو۔ اب تک جو پڑھا اور سنا — ادراک ہوا کہ وہ ولیہ اور برگزیدہ خاتون ہیں۔ عام عورت ایسے بچہ کو جنم نہیں دیتی جس سے عالم درعالم روشن ہو۔

شعور کے اس پار دیکھا کہ صاحب علم لدنّی کے پاس غیب سے بڑے غلاف میں حفاظت سے رکھا گیا قرآن کریم آیا جو ان کی والدہ صاحبہ نے بھیجا ہے۔ مرید پر کشف ہوا کہ شیخ کی والدہ نے اس کے لئے تحفہ بھیجا ہے۔ خود سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ غلاف میں قرآن کریم ہے۔

صاحب علم لدنّی نے غلاف کھولا، کتاب غائب تھی۔ وہ مسکرائے اور خاموش رہے۔

کچھ دیر کے بعد اس نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی تو انہوں نے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا — اور وہ بیٹھ گیا۔

ایک بار پھر غیب سے اسی غلاف میں قرآن کریم آیا۔

شیخ طریقت نے غلاف کھولا، قرآن کریم موجود تھا۔

انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر مقدس کتاب کھولی اور اس کے سامنے رکھ دی۔

ورق اور طرز تحریر ذہن میں محفوظ ہے، بیان نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ اس بار ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ تحفہ میں کیا ہے۔

شیخ نے فرمایا، یہ آپ کے لئے ہے۔

اس نے سر جھکایا اور ادب سے تحفہ قبول کیا۔

صاحب علم لدنّی نے تعبیر بتائی کہ خواب گہرا ہے، بس یہ جاننا کافی ہے کہ پہلی بار تحفہ غائب اس لئے ہوا کہ آپ نے ذہن استعمال کیا — دوسری بار ذہن استعمال نہیں کیا۔ جب مرید — مرشد کے سامنے ذہن استعمال نہیں کرتا تو یقین کی دنیا روشن ہو جاتی ہے۔

اس نے سوچا کہ ہم خود ہی راستہ — اور خود ہی راستہ میں دیوار ہیں۔ ڈائری میں یہ سطریں لکھتے ہوئے نظر دیوار پر گئی — دیوار پر کیڑا چڑھ رہا تھا جو چلتے چلتے کمرے کی چھت پر الٹا لٹک گیا مگر چلتا رہا۔

اس نے سوچا کہ کیڑا سیدھا ہے یا لٹکا ہوا — ؟ جب کیڑا دیوار پر چڑھتا ہے تو گرتا کیوں نہیں؟ ایسے میں ہم کیڑے کو کس حالت میں نظر آتے ہیں؟ کیا لٹکے ہوئے نظر آتے ہیں جیسے وہ ہمیں لٹکا ہوا نظر آرہا ہے؟ کس چیز نے کیڑے کے قدموں کو دیوار پر جما رکھا ہے؟ کیڑا دیوار پر ایسے چلتا ہے جیسے ہم زمین پر چلتے ہیں۔ ہم صحیح دیکھ رہے ہیں یا وہ صحیح چل رہا ہے — ؟

آواز آئی — کیڑے یا دیوار پر چڑھنے والے حشرات الارض دیوار کو دیوار نہیں سمجھتے اس لئے دیوار ان کے لئے زمین بن جاتی ہے۔

عام ــــ خاص

بچہ آفتاب رضوی کے پاس آیا تو انہوں نے سوچا، معمولی اونٹ پر تعریف کر رہے ہیں۔ اس میں کیا خاص بات ہے۔ لیکن بولے کچھ نہیں، اور تعریف کرنا پڑی۔ ان کی بیگم اور بچوں نے پہلی مرتبہ ابا کو کسی کی تعریف کرتے دیکھا۔

درمیانی عمر کے آفتاب رضوی دس سال کے بعد لاکھوں روپے ماہانہ کمانے والی نوکری سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ صدمہ نے انہیں نڈھال کر دیا ہے لیکن تکبر اور خودسری نہیں گئی۔ گفتگو تلخ جملوں سے بھرپور ہوتی ہے۔ اپنی دانست میں خود کو بہترین شوہر اور باپ سمجھنے والے یہ کم ہی سیدھے منہ بات کرتے ہیں۔ بیوی بچوں پر ڈانٹ پھٹکار کا سلسلہ صبح سے شروع ہوتا ہے اور جب تک سو نہیں جاتے، جاری رہتا ہے۔

بچے سہمے اور دبکے ہوئے رہتے ہیں۔ باپ کی موجودگی میں شرارت تو دور کی بات، کھیلنا بھی گویا امر ممنوعہ ہے۔ بیوی کے چہرہ پر تہ در تہ سنجیدگی اور ویرانی ہے۔ وہ شکستہ لہجہ میں بچوں کا دفاع کرتی ہے اور کبھی اپنا غصہ بچوں پر اتارتی ہے۔ بیوی بچوں کا اعتماد بری طرح متاثر ہے کہ معمولی بات اس طرح کرتے ہیں کہ جیسے کوئی آنہ جائے۔

رضوی صاحب کی نوکری ختم ہوئے گیارہ ماہ ہو گئے ہیں۔ خود ساختہ معیار کے مطابق نوکری نہیں مل رہی، اس سے کم پر وہ تیار نہیں۔ ہر وقت کی چخ چخ اور بے وجہ روک ٹوک نے گھر کو جہنم بنا دیا ہے۔

تجربات کا شوق ہے۔ اس دوران انہماک کا یہ عالم ہوتا ہے کہ کوئی آئے جائے، انہیں سروکار نہیں۔ ان گھڑیوں میں بیوی بچے سکھ کا سانس لیتے ہیں۔

○ ○ ○

پہلا منظر: پچھلے ہفتہ کی بات ہے کہ رضوی صاحب نے فریم شدہ بڑی تصویر گھر کے وسیع لان میں 40 سے 45 فٹ کے فاصلہ پر رکھی اور دیکھنے کی کوشش کی مگر کچھ نظر نہیں آیا۔ فاصلہ کم کیا لیکن خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ مشق جاری رکھی۔ فاصلہ مزید کم کر کے فریم کو تقریباً 25 فٹ کے فاصلہ پر لے آئے۔ بے ربط نشان نظر آنا شروع ہوئے۔ آفتاب صاحب پھر اٹھے اور تصویر کو 20 فٹ کے فاصلہ پر رکھ دیا۔ اس بار نقوش قدرے بہتر طور پر نظر آئے۔ دیر تک نظریں جمائے

رکھیں۔تھوڑی دیر کی مشق اور ارتکاز سے تصویر کو تفصیل سے دیکھنے کے قابل ہوئے۔خوشی دیدنی تھی۔

مشق اکیسویں دن میں داخل ہوئی تو جو عکس پہلے روز نظر نہیں آیا، اکیسویں دن 45 فٹ کے فاصلہ سے اجلا اور نمایاں تھا گو یا 12 یا 14 فٹ کے فاصلہ سے دیکھ رہے ہوں۔بس پھر کیا تھا، ایک دم آواز لگائی،

لو جی! آخر ہو گیا

میں کام یاب ہو گیا

کیسے ممکن ہے کہ میں جو سوچوں وہ نہ ہو!

○ ○ ○

دوسرا منظر: امتحان ہال میں ڈرائنگ کا پرچہ ہو رہا ہے۔جماعت سوم، چہارم، پنجم اور ہفتم کے پرچوں میں ایک سوال مشترک ہے کہ انہیں قدرتی منظر بنانے اور اس میں رنگ بھرنے کو کہا گیا ہے۔

ممتحن ہال میں ٹہل رہا ہے۔ ہر بچہ کے پرچہ یعنی ڈرائنگ اور رنگ بھرنے کو غور سے دیکھتا ہے۔چوں کہ بچے چھوٹے ہیں، وہ ساتھ ساتھ ان کی راہ نمائی کر رہا ہے۔ممتحن نے دیکھا کہ تقریباً 90 فی صد بچوں نے منظر کا آغاز پہاڑ بنانے سے کیا۔دامن میں چھوٹا گھر ہے، اطراف میں پودوں کی باڑ ہے۔ پہاڑوں کے درمیان سے سورج طلوع ہو رہا ہے۔گھر کے برابر میدان کے عین وسط میں سے سڑک گزر رہی ہے جو دونوں طرف سے خوب صورت پتھروں سے مزین ہے۔پرندے اڑ رہے ہیں، قریب دریا بہہ رہا ہے۔بعض بچوں کے کاغذ پر سورج کے ساتھ بادل بھی بنایا گیا ہے۔

ممتحن کے ذہن میں اپنے بچپن کے آرٹ پیپر کے مناظر ابھرنے لگے۔کم و بیش وہ بھی اسی طرح کی منظر کشی کرتا تھا۔ممتحن نے سوچا کہ اس دور اور آج کے آرٹ کے پرچہ کے دوران پوری ایک نسل کا دورانیہ حائل ہے لیکن قدرتی مناظر کے بارے میں تصویر کشی کا فہم اتنے سالوں کے باوجود وہی ہے۔جدت آئی ہے تو رنگوں کی اقسام اور ان کے معیار میں۔سوچ نے فکر کے دروازے کھولے۔ذہن کی اسکرین پر دو الفاظ جگ مگائے—عام فہم یعنی جنرل انڈر اسٹینڈنگ!

ممتحن نے سوچا کہ طویل عرصہ گزر گیا لیکن سوچنے کا عمومی نظریہ تبدیل نہیں ہو سکا۔ایک نظر میں نگاہ میں سمٹ جانے والے مناظر اور ان کے معنی کو کُل یا اصل سمجھ لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک نسل پر محیط دورانیہ میں لوگوں کی سوچ میں خاص ترقی نظر نہیں آئی۔ اصل ''پس پردہ'' رہ گئی۔اصل کو تلاش نہ کیا جائے تو نقل کو اصل سمجھ لیا جاتا ہے۔

یہ ممتحن ساجد لطیف صاحب ہیں۔

○ ○ ○

تیسرا منظر: ایک لائبریری میں آفتاب رضوی کی ملاقات ساجد لطیف سے ہوتی ہے جو درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں، ساتھ ساتھ پچھلے کچھ سالوں سے روحانیت کے موضوع پر تحقیق کر رہے ہیں۔ وہ دیگر لوگوں کی بہ نسبت جسمانی و روحانی طور پر مضبوط اور

ذہنی وفکری طور پر زیادہ چست ہیں۔ روزمرہ معمولات میں پابندی، دیانت داری اور خدا ترسی کا رنگ واضح طور پر جھلکتا ہے۔

ساجد صاحب نے آفتاب صاحب کے ساتھ پہلی سرسری ملاقات میں ان کی اندرونی کیفیت کا تھوڑا بہت اندازہ لگالیا۔

دوسری ملاقات ایک شادی میں ہوئی اور پہلی کے برعکس طویل رہی۔ آفتاب صاحب کو ہم دردوغم گسار ملا تو پرت در پرت کھلے اور شخصیت نمایاں ہوگئی۔

اس کے بعد ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ساجد صاحب نے انہیں اہل خانہ کے ساتھ گھر پر مدعو کیا۔ آفتاب رضوی بیوی بچوں کو لانے پر رضامند نہیں تھے لیکن اصرار پر مجبور ہوگئے۔

○ ○ ○

آفتاب رضوی میزبان کے گھر کا ماحول دیکھ کر مرعوب ہوئے اور کہا کہ آپ کے گھر میں بہت سکون ہے۔ بچے باادب اور خوش رہنے والے ہیں۔ بھابھی نے اچھی تربیت کی ہے۔ سچ بات ہے کہ مجھے گھر کا ماحول بہت پسند آیا ہے۔ اس کا راز کیا ہے؟

آفتاب رضوی نے اپنی بیگم کو چبھتی ہوئی نظر سے دیکھا اور بچوں کا تنقیدی جائزہ لیا۔ میزبان سے یہ بات چھپی نہ رہ سکی۔ اس کے بعد وہ بولے، ہمارا گھر تو بے سکونی و بے اطمینانی کی آماج گاہ ہے۔ لاکھوں کما کر کھلائے لیکن بیگم اور بچوں کے چہرہ پر خوشی نہیں۔ گیارہ ماہ کی بے روزگاری نے تو جینا دوبھر کردیا۔ سب سمجھتے ہیں کہ میں اب ان پر بوجھ ہوں۔

آفتاب صاحب کی بیگم شرمندہ ہوگئیں۔ چہرہ پر تکلیف ظاہر تھی لیکن پھر مسکرادیں۔

ساجد صاحب اپنے دوست کی تصحیح کرنا چاہتے تھے لیکن موقع مناسب نہیں تھا۔ سب کے سامنے بات ہوتی تو وہ اڑ جاتے اور تصحیح — انا کا مسئلہ بن جاتی۔

بچے بچوں سے ملے اور کھیل میں مشغول ہوگئے۔ کھیل کھیل میں شور مچا تو آفتاب رضوی نے سخت لہجہ میں اپنے بچوں کو ڈانٹا جب کہ ساجد صاحب شفقت سے بولے، بچو آپ کیا کھیل رہے ہیں۔

بتایا کہ ہم اپنی کتاب دوستوں کو دکھا رہے ہیں۔

ایک بچہ بولا، بابا! دیکھئے میں نے اونٹ بنایا ہے۔

ساجد صاحب نے اونٹ دیکھا، اور کہا، واہ بھئی ماشاء اللہ۔ اور پھر سب کو دکھایا کہ دیکھیں اونٹ بنایا ہے۔ بیٹا سب کو دکھائیں۔ چار سالہ بیٹے نے فخر سے سب کو باری باری اونٹ دکھایا۔

بچہ آفتاب رضوی کے پاس آیا تو انہوں نے سوچا، معمولی اونٹ پر تعریف کررہے ہیں۔ اس میں کیا خاص بات ہے۔ لیکن بولے کچھ نہیں، اور تعریف کرنا پڑی۔ ان کی بیگم اور بچوں نے پہلی مرتبہ ابا کو کسی کی تعریف کرتے دیکھا۔

اس کے بعد ساجد صاحب نے بڑوں کی موجودگی کو نظر انداز کرکے کچھ دیر بچوں سے باتیں کیں، اور

سارے بچوں کی تعریف کی۔سب خوش ہو گئے۔

آفتاب صاحب کی سسکی ہوئی کہ میں نے اپنے بیٹے کو ڈانٹا لیکن ساجد صاحب نے سراہا ہے۔

اس طرح کچھ نہ کہہ کر ساجد لطیف نے اپنے دوست آفتاب رضوی کو بہت کچھ باور کرا دیا۔

○ ○ ○

متواتر چھ ماہ کی ملاقات میں آفتاب صاحب نے ساجد لطیف کو بہترین دوست قرار دے دیا۔

ساجد صاحب سے مل کر انہیں محسوس ہوتا کہ سکون کی لہریں دل کے تاروں کو نئے تال اور الاپ سے روشناس کر رہی ہیں۔دوست نے سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے دوست کا اعتماد حاصل کیا،اس کے بعد بالواسطہ طور پر خامیوں کی طرف متوجہ کیا۔

ایک روز آفتاب رضوی نے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں کہا،ساجد بھائی میں خود کو بدلنا چاہتا ہوں۔

ساجد صاحب نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور کہا، میرے دوست! جو خود کو بدلنا چاہتا ہے، وہ کہتا نہیں— خود کو بدل دیتا ہے۔

آفتاب صاحب کیا بدلے، گھر کا ماحول بدل گیا۔ خوشی کی لہر سکون میں ڈھل گئی۔یک سوئی اور ارتکاز کی مشق سے واقف تھے اس لئے جب پاک باطن دوست ملا تو فکر کے دریچے کھل گئے۔

○ ○ ○

چوتھا منظر: تقریباً ایک سال قبل کی گئی فریم والی مشق کو آفتاب رضوی نے دہرایا۔اگر چہ آج بھی وہ تصویر کے مختلف زاویوں کو ایک نظر میں نہیں دیکھ سکے لیکن اس بار تصویر مختلف لگی۔ایک ہفتہ کی مشق کے بعد کامیابی ہوئی تو اس مرتبہ اظہار کے لئے جملے مختلف تھے۔

اللہ پاک نے کامیابی عطا فرمائی۔

سب اللہ کا کرم ہے ورنہ میری کیا اوقات!

زبان پر ان الفاظ کی تکرار تھی۔ذہن میں خیالات کو انہوں نے الفاظ کا جامہ پہنایا اور لکھا،

میں اکثر سوچتا تھا کہ مجھے ہر وہ شے کیوں متوجہ کرتی ہے جس سے یک سوئی حاصل ہو۔اللہ چاہتا ہے کہ میں تفرقہ سے محفوظ رہوں اور یک سو ہو کر اس راستہ کو تھام لوں جس کا حکم اللہ نے قرآن کریم میں دیا ہے۔اس نے مجھ گناہ گار اور خطا کار پر رحمت کے دروازے کھول دیئے اور میرا پرانا چہرہ دھندلا نقش بن گیا۔

احساس ہوا کہ یک سوئی سے دور کی چیزیں قریب معلوم ہوتی ہیں۔چیزوں کی حقیقت کھلتی ہے اور معمولی جز— تفصیل بن کر عام سے خاص ہو جاتا ہے۔

بچپن کے وہ دن یاد ہیں جب میرے جارحانہ رویہ کی وجہ سے دوستوں سے لڑائی ہو جاتی۔بہن بھائیوں کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں تھے۔سب میں خامیاں اور کمزوریاں نظر آتیں۔بیوی بچوں کو بھی تلخ رویوں کی نذر کر دیا۔ان کے چہرہ سے مسکراہٹ چھین لی۔ اپنے نقائص کو دوسروں کے اندر دیکھا اور ان نقائص کو خود سے غیر سمجھا۔

پھر مجھے دوست ملا جس نے محبت سے متعارف کروایا اور اندر کی دنیا اُتھل پُتھل ہوگئی۔ منفی جذبات بہہ گئے۔ جب دوست نے مجھ سے کہا کہ تم ہنستے ہوئے اچھے لگتے ہو تو احساس ہوا کہ کتنا عرصہ ہوا میں ہنسا نہیں۔ ہر وقت تلخی یا پھر بناوٹی ہنسی۔ ہنسنے سے معلوم ہوا کہ میرے چہرہ پر کس قدر تناؤ ہے۔

ساجد نے بتایا کہ مجھے یک سو رہنے کی مشق سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور اسے زندگی کے ہر معاملہ میں استعمال کرنا چاہئے۔ اس نے بتایا کہ آفتاب! تمہیں ہر حال میں یہ سوچنا ہے کہ میں جہاں ہوں اور جو کام کرتا ہوں، اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس سے کام بھی ہوگا اور ذہنی مرکزیت تقسیم نہیں ہوگی۔

ساجد نے مجھے عارضی چیزوں کے بجائے حقیقت کی طرف متوجہ کیا۔ بلا شبہ یک سوئی سے ذات کا عرفان ہوتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم ان چیزوں میں سکون تلاش کرتے ہیں جن میں بے سکونی ہے۔ چکا چوند سے قریب ہونا چاہتے ہیں— مگر جو روشنی کائنات کی بنیاد ہے، اس سے قریب نہیں ہوتے۔

اللہ سے دور ہو کر اسرار و رموز کی آگاہی ہوتی ہے نہ سربستہ رازوں سے پردہ اٹھتا ہے۔ جب عرفان نہ ہو تو اس عظیم الشان ہستی کی عنایتوں کا اعتراف اور محبت کا احساس کیسے ہوگا؟

ساجد نے کہا، یاد رکھو آفتاب! جب تک ذہن ایک مرکز پر قائم نہیں ہوتا، آدمی الجھا رہتا ہے۔ تمہارے اندر خود نمائی اتنی زیادہ ہے کہ ہر ایک کا خود سے موازنہ کرتے ہو اور سب میں عیب نکال لیتے ہو۔ تم اپنے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتے اور اپنی قید میں قید ہو گئے ہو۔ خود کو دوسروں کی جگہ پر رکھ کر ان کے جذبات کا احساس کرو۔ سوچو! اگر یہ سب تمہارے ساتھ ہو تو تمہیں کیسا لگے گا—؟

میں نے دوست کی ہدایات کو مدنظر رکھا کیوں کہ عمل کی صورت میں وہ میرے سامنے موجود تھا۔ آج میں پرسکون ہوں۔ مجھے کسی سے شکایت نہیں کیوں کہ اگر کسی میں عیب ہے تو اچھائی بھی ہے۔ میری نظر عیب پر کیوں رکتی ہے—؟ میری سوچ صحیح نہیں ہے۔ دنیا کو بدلنے کے بجائے صرف خود کو بدل کر میں کس قدر پرسکون ہو گیا ہوں، یہ بیان سے باہر ہے۔

○ ○ ○

باطن کی دنیا کو وقت دو

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں کہ ان کے مریدین میں ایک معمار تھا جو اکثر و بیش تر یہ شعر پڑھا کرتا تھا،

کارِ دنیا کسے تمام نہ کرد
ہر چہ گیرید مختصر گیرید

مفہوم: دنیا کا کام کوئی پورا نہیں کر سکا، اس لئے جس قدر ممکن ہو دنیاوی امور کو مختصر کرو اور وہ وقت باطن کی دنیا کو دو۔

نقی محمد خاں

پان کی ناز برداری

تمبا کو کو تقریباً 90 فی صد لوگ مختلف صورتوں میں استعمال کرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، سونگھتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ اس کو اگر کھاؤ تو تھوکو، اگر پیو تو پھونکو، اگر سونگھو تو چھینکو۔

پان ہے تو شوق کی چیز لیکن اپنی خوبی اور ہر دل عزیزی کے سبب بیش تر لوگوں کے لئے جزو زندگی بن گیا۔ پاکستان اور ہندوستان کے سوا ہر ملک اس نعمت سے محروم ہے۔ مہمان کی تواضع کے لئے پان نہ ہو تو سب کئے کرائے پر پانی پھر جائے لیکن جہاں کئی پرانی باتوں کی بے قدری ہوئی، پان کی ناز برداری اور تکلفات بھی غائب ہو گئے۔

میں اس مرحوم زمانہ کا ذکر کر رہا ہوں جب روپیہ کا چالیس سیر گندم، اور ایک روپیہ کا دو سیر خالص گھی آتا تھا۔ یہی حالت دیگر چیزوں کی ارزانی کی تھی۔ دساوری* سو (100) پانوں کی ڈھولی* کی قیمت پانچ آنے تھی۔ پان بھی وہ کڑا کے دار جس کی مبالغہ آمیز تعریف یہ ہے کہ ہاتھ سے چھوٹے تو گر کر ٹکڑے ہو جائیں لیکن اس میں شک نہیں کہ گلوری* بناتے وقت احتیاط کی جاتی کہ چٹخ نہ جائے۔ گلوری منہ میں رکھتے ہی کرکراہٹ کی آواز بڑا مزہ دیتی تھی۔

پانوں کے اس زمانہ کی جو اقسام یاد ہیں وہ یہ ہیں،

۱۔ کلکتہ، بمبئی پان۔ یہ دساوری، مہوبہ، انتری علاقہ گوالیار کا پان تھا۔

۲۔ مدراسی — کپوری، کافور کی خوش بو آتی تھی۔

۳۔ بنارسی — یہ پان چھوٹا، سفیدی مائل اور کسی قدر پتلا اور ملائم تھا۔ بعض اس کو بیگماتی پان کہتے لیکن بیگماتی اور بنارسی پان میں فرق تھا۔ بیگماتی پان کی لطافت اور خوش بو بنارسی پان سے مختلف تھی۔

یوپی کے مغربی اضلاع اور دہلی میں دساوری پان زیادہ مرغوب تھا۔ یہ جسامت میں سب پانوں سے بڑا، لذیذ اور کھاتے وقت سوندھی خوش بو معلوم ہوتی تھی۔

سو پانوں کی بڑی ڈھولی میں چھوٹے بڑے سب طرح کے پان ہوتے تھے۔ ڈھولی خرید کر پانوں کی نگہداشت اور رکھنے کے عجیب طریقے تھے۔ نفیس مزاج خواتین کسی طشت یا لگن میں پانی بھر کر پانوں کو صاف

دساوری (بدیسی۔ ایک قسم کا پان) ڈھولی (پانوں کا مٹھا) گلوری (پان کا بیڑا)

ستھرے کپڑے سے دھوتیں، گلے ہوئے حصہ کو قینچی سے کاٹ کر علیحدہ کرتیں، نوک پلک سے ہر پتے کو اس طرح درست کیا جاتا کہ پان بناتے وقت آگے کی نوک اور پیچھے کا ڈنٹھل توڑ دیا جاتا اور پانوں پر خوش بو دار پنڈول* مٹی کا لیپ کر کے، سینکوں* کی بنی ہوئی ٹوکری میں رکھتے، پھر صاف ستھرے پانی میں تر کیا ہوا کپڑا ڈھک کر، ہوادار مقام پر رکھ دیا جاتا۔

دساوری بڑے پان کی رگیں جو موٹی اور کرخت ہوتی تھیں، بعض نفاست پسند خواتین خوب صورتی سے ان کو چھیل دیتی تھیں۔ نئے پان کے مقابلہ میں پرانا پان زیادہ اچھا سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں تھوک فروشوں کی منڈیاں تقریباً ہر بڑے شہر میں تھیں لیکن لکھنؤ، دلی اور الٰہ آباد اس سلسلہ میں مشہور تھے۔

پان کی رسائی گھروں میں مستورات تک محدود نہ تھی بلکہ شاہی درباروں میں اسے بڑا مرتبہ حاصل تھا۔ بادشاہ نے جس درباری کو دست مبارک سے پان دے دیا، اس کی عزت میں چار چاند لگ گئے۔ جس کو گل رعنا نے دست سیمیں سے گلوری پیش کر دی، وہ فرد پھولے نہ سمایا۔ شعرا نے پان کی صفت میں اشعار کہے ہیں۔ مثلاً،

دست سیمیں بڑھایئے صاحب
پان حاضر ہے کھایئے صاحب

بادشاہوں کو مہم درپیش ہوتی تو ہفت ہزاری* پنج ہزاری بڑے سرداروں سے شہنشاہ عالی جاہ مخاطب ہوتے کہ فلاں مہم سر کرنے کا بیڑا کون اٹھاتا ہے۔ خادم زرنگار طشت میں پانوں کی بیڑیاں جن پر نقرئی وطلائی ورق لگے ہوتے، بادشاہ کے سامنے لا کر رکھتا۔ سرفروشی کے واسطہ آمادہ شخص اپنی جگہ سے اٹھتا، شہنشاہ کے روبرو آ کر زمین بوس سات سلام کرتا، تلوار کمر سے نکال کر بادشاہ کے روبرو پیش کرتا، اس کے بعد زرنگار طشت میں سے پان کا بیڑا اٹھا کر آداب بجالاتا۔ گویا یہ بیڑا اٹھانے کی رسم اس بات کا عہد و پیمان تھی کہ مہم کو فتح کر کے وہ سرخرو ہوگا ورنہ زندہ واپس نہ آئے گا۔ بیڑا اٹھانے کے اعزاز کی اہمیت کا یہ عالم تھا کہ دور دور تک شہرت ہو جاتی۔ تقریبات اور محفلوں میں بلا پان کے ہر تواضع ہیچ تھی۔ پیچوان اسٹک، حقہ بھی تواضع کا جز و اعظم تھا لیکن سرخروئی پان سے حاصل ہوتی تھی۔

میں اس زمانہ کا ذکر کر رہا ہوں جس میں بوجہ ارزانی ہر غریب و امیر اپنا شوق پورا کر لیتا تھا لیکن اس قیامت خیز مہنگائی کے زمانہ میں جب کہ قلت کے باعث کراچی میں پانچ روپیہ کا ایک چھٹانک پان فروخت ہوا ہے، ایسے شوقین بکثرت تھے جنہوں نے اپنے خرچ کے ساتھ خندہ پیشانی سے میرا خرچ بھی برداشت کیا۔

پان بنانا ہنر اور کمال ہے۔ سستے زمانہ میں دہلی کا ایک مشہور پنواڑی آٹھ آنے میں ایک بیڑا بنا کر دیتا اور کہتا کہ افسوس اب پانوں کے قدردان نہ رہے۔

پنڈول (سفید مٹی جو دیوار پر چونے کی جگہ پھیرتے ہیں) سینکوں (تیلیاں) ہفت ہزاری (عہد مغلیہ میں ایک اعلیٰ منصب)

پان سے خاص ذوق رکھنے والے خود پان بنا کر کھاتے ہیں۔ دوسرے کے بنائے ہوئے پان میں مزہ نہیں آتا۔ نفیس مزاج مستورات پان بنانے سے قبل گیلے پتے کو صاف ستھرے کپڑے سے خشک کرتیں، آدھے حصے پر چونا، اس کے بعد دوسرے حصے پر کتھا لگاتیں۔ دونوں کی مقدار برابر ہے تو پان مزہ دار ہوگا ورنہ کتھا ذرا بھی زیادہ ہوا تو پان میٹھا، اور چونا زیادہ ہوا تو منہ کٹا۔ غریب لوگ پان کے چار ٹکڑے کرتے، ہر حصہ پتا کہلاتا تھا۔ جن کے دانت نہ ہوتے وہ گلوری کو مع چھالیا کے پن کٹی میں کوٹ کر کھاتے۔ یہ چھوٹی خوب صورت ہاون دستہ کے شکل کی چیز ہوتی تھی۔ گلوریاں چاندی کے زنجیر دار نوکیلے غنچہ میں لگا کر پیش کی جاتیں۔ غنچہ کیری کی شکل کا اندر سے خالی ہوتا۔ یہ کھلتا بھی تھا، روئی عطر میں تر کر کے اس میں رکھی جاتی۔ پان کو زنجیر دار کیلوں میں سے نکالنے کے واسطہ صرف ایک ہاتھ کی انگلیوں سے مدد لی جاتی، دونوں ہاتھوں کا استعمال معیوب سمجھا جاتا تھا۔

منقش یا سادہ خاص دان*، پان دان، اگال دان یا پیک دان وغیرہ سب پان کے لوازمات تھے۔

پان، حقہ اور ان کے تکلفات — زمانہ اپنے ساتھ لے گیا۔ پان کا رکھ رکھاؤ، اس کا بنانا، پیش کرنا، چبانا سب کے خاص انداز تھے۔ مثلاً پان صرف کلمہ کی انگلی اور انگوٹھے کی مدد سے اٹھایا جاتا تھا۔ خاص دان میں ٹول* کا گوٹا لگا ہوا کپڑا ہوتا جس سے چٹکی صاف کی جاتی تھی۔ پان کھاتے وقت منہ ضرورت سے زائد نہیں کھولتے تھے اور پان کی گلوری کو دانتوں اور گال کے درمیان تھوڑا چبا کر رکھ لیا جاتا تاکہ لعاب دہن کی آمیزش سے اس میں قوام (قیام، ٹھہراؤ) پیدا ہو اور لطیف تر بنا دے۔ بعض شوقین خواتین آرسی کے آئینہ میں اندازہ کرتی تھیں کہ گال زیادہ پھولا ہوا تو نہیں، منہ چلانے، بات کرنے، تھوکنے میں نفاست اور لطافت کا خیال رکھنا پڑتا تھا اور اگال دان میں پیک تھوکتے وقت ہاتھ اس طرح منہ کے سامنے ہوتا کہ منہ سے نکلتی ہوئی پیک دوسرا نہ دیکھ سکے۔ فارسی شعر کا ترجمہ پیش ہے،

''ہند کے حسین پان کھانے کی رغبت رکھتے ہیں اور عاشق کہتے ہیں کہ اپنے خون سے لب سرخ کر رکھے ہیں۔''

پان کی لوازماتی اشیا مراد آبادی ساخت کی ہوتی ہیں۔ بڑے گھروں میں پان دان بڑے ہوتے تھے۔ **میں تو ان کو مذاق میں عمرو عیار کی زنبیل کہتا کیوں کہ اس میں علاوہ چار چھ کلیوں اور تر کپڑے میں لپٹے ہوئے پانوں کے جن میں کتھا، چونا، تمباکو، چھالیا، بھنا ہوا دھنیا، کٹا ہوا کھوپرا، زعفران، مشک، عنبر، جاوتری، لونگ، الائچی، ملیٹھی، خشک پیپر منٹ کی شیشی، روزمرہ پہننے کے ایک دو زیور، کچھ نقد، کنجیاں،**

خاص دان (پان کی گلوریاں رکھنے کا برتن) ٹول (کھیس کی طرح کا کپڑا)

حکیم صاحب کا نسخہ اور نہ جانے کیا کیا ہوتا۔ لطف یہ کہ نہ اس میں قفل (تالا) لگایا جاتا نہ چوری ہوتی تھی۔

چھالیا کو عام طور پر سپاری یا ڈلیہ بھی کہتے ہیں۔ بعض شوقین چھالیا کو دودھ میں جوش دے کر چکنی چھالیا بناتے اور سروتے سے باریک اوراق کی شکل میں تراشتے تھے۔ چھالیا مشین سے کٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ گلوری میں لگانے کی کیلیں بھی چھالیا ہوتی تھیں۔ بعض لوگ گلوری میں لونگ لگاتے تھے۔ اب تو بدمذاقی کا یہ عالم ہے کہ بعض جگہ جوتے میں لگانے والی پریگ بھی گلوری میں لگادی جاتی ہیں۔ کتھا تیار کرنے کے لئے ڈلیوں کو باریک توڑا جاتا، پانی میں جوش دے کر باریک کپڑے میں چھانتے اور کوری ہنڈیا میں رکھ دیتے کہ ٹھنڈا اور گاڑھا ہو جائے۔ چونا مخصوص پتھر کو جلا کر بنایا جاتا ہے۔ تیاری کے وقت اس کو پانی ڈال کر بجھاتے ہیں۔ خشک ہونے سے خراب ہو جاتا ہے اس وجہ سے حسب ضرورت اس میں پانی رہنا چاہئے۔ اس زمانہ کے شوقین بعض افراد سیپی کو جلا کر اس کا چونا بناتے ہیں۔ چونے کی تیزی بتاشوں سے کم کی جاتی ہے۔

تمبا کو پان کا اہم جزو ہے۔ اس کے خشک پتوں کو مل کر اس کی رگیں نکال دیتے تھے۔ یہ سادہ تمبا کو کہلاتا۔ خوش بو ملے ہوئے تمبا کو کو زردہ کہتے ہیں۔ تمبا کو کو پانی میں جوش دے کر چٹنی کی طرح گاڑھا کر لیں تو اس کو قوام یا قمام کہتے ہیں۔ خوش بو کے لئے مشک، زعفران، عنبر، الائچی، جاوتری وغیرہ کیوڑے کے عرق میں کھرل کر کے تیاری کے بعد ملاتے ہیں۔ گرم پانی میں خوش بو قائم نہیں رہتی۔

تمبا کو کو تقریباً 90 فی صد لوگ مختلف صورتوں میں استعمال کرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، سونگھتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ اس کو اگر کھاؤ تو تھوکو، اگر پیو تو پھونکو، اگر سونگھو تو چھینکو۔ تمبا کو دماغ، دل، معدہ اور اعضائے رئیسہ کے لئے مضر ہے۔ پان میں تمبا کو اور چونے کے علاوہ سب چیزیں مفید ہیں۔ پان کے بارے میں ایک شعر ہے۔

کھا لیا غم نے تیرے
ورنہ ایسا کتھا (کب تھا، کد تھا)
پان سے (پانچھو) مارے مگر
میں چونا کتھا (چوں نہیں کرتا)

یاد اپنی تمہیں دلاتے جائیں
پان کل کے لئے لگاتے جائیں

اس زمانہ میں ہونٹوں کو پان سے سرخ کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ پان کھا کر لعاب دہن زبان کے ذریعہ سے ہونٹوں پر لگاتے تھے۔ چند بار اس عمل سے ہونٹ بیر بہوٹی* کی طرح سرخ ہو جاتے ہیں۔ اس کو لاکھا جمانا کہتے تھے۔ سنگھار کی یہ ترکیب اب لپ اسٹک نے لی ہے لیکن لاکھا دیرپا تھا۔

آج سے 80 سال پہلے کا زمانہ سنیما کی فلم کی طرح

بیر بہوٹی (بھائی کی دلہن)

میری نگاہ میں ہے۔ زمانہ حال والے بھی اس تماشے سے کیوں نہ لطف اندوز ہوں ۔ پان کے لطف سے تو رنگین مزاج واقف ہیں، میں تو ان میں ہوں جو عید بقر عید کو پان کھا لیتے ہیں۔ بقول نریش کمار شادؔ،

محفل ان کی ساقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا

الغرض پان رونق بزم، مونس تنہائی، ذریعہ تعارف و تواضع، حسینوں کا سہاگ، امرا کا مشغلۂ بے کاری، پنواڑی کا ذریعہ معاش، ہاضم طعام، خواتین کا مشغلہ۔

چونا لگانے کا محاورہ تو اب بھی زبان زد خلائق ہے لیکن اس کی وجہ تسمیہ شاید کسی کو معلوم ہو۔ آج دھوکا دہی، ناجائز وسیلوں سے کچھ حاصل کرنا، کسی کو نیچا دکھانے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن قدیم زمانہ میں اس کی ابتدا شائستہ مذاق سے ہوئی تھی۔ محبوبہ پان کی گلوری اپنے ہاتھ سے شوہر یا دوسرے کے منہ میں رکھتی تو انگلیوں میں سے کسی انگلی کے پوروے میں خفیف چونا لگا کر پان کھلاتے وقت، ترکیب سے وہ چونا اس کی ٹھوڑی پر لگاتی اور کسی چیز کی فرمائش کر دی جاتی تھی جو اس کو دینی پڑتی تھی۔ پان کھانے والے کا فی احتیاط کرتے مگر چونا لگ جاتا تھا اور ہنسی ہوتی تھی۔

پان کی ڈبیہ پر یہ شعر لکھا دیکھا ہے،

پان کھا کر لب لعلین کو ہلاؤ صاحب
تا چمک جائیں گہر لعل بدخشاں ہوکر

جگ بیتی کے بعد آپ بیتی پڑھئے۔

کہتے ہیں کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ بالآخر صحبت کا اثر رنگ لایا۔ الٰہ آباد کے دفتر میں جا کر دوسروں کی دیکھا دیکھی میں بھی پان خور ہو گیا۔ چھ گھنٹے دفتر میں ہاتھ پیروں کی حرکت ہوتی تھی لیکن منہ ساکت رہتا تھا۔ سگریٹ کا رواج عام تھا نہ دفتر میں پینے کی اجازت تھی ۔ ہر سپاہی کے پاس پان کی ڈبیہ ہوتی۔ جگالی کرتے ہوئے دیکھتا تو ایک آدھ پان مانگ کر میں منہ چلانے لگتا۔ وہ خندہ پیشانی سے پان کھلاتے اور بعض اوقات اصرار کرتے۔ جب رفتہ رفتہ تمباکو کی بھی چاٹ لگ گئی تو بقول اکبر،

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی

دیکھتے دیکھتے سب نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں۔ پان دینے میں اغماض کرنے لگے۔ میں نے توہین محسوس کی۔ شادی ہوئی تو حسن اتفاق دیکھئے بیوی مجھ جیسی اناڑی۔ کسی گلوری میں چونا زیادہ کسی میں کتھے کی بھرمار۔ نہ کپوری کی شناخت نہ دساوری کی پہچان۔ اگر مجھ سے لے کر کسی نے پان کھایا، دوبارہ مانگنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ایک روز سنجیدگی سے بیگم سے کہا کہ جب تک خود پان نہ کھاؤ گی، پان بنانا نہیں آئے گا۔ ان کو پان خور بنایا اور رفتہ رفتہ حالت اعتدال پر آ گئی۔

دفتر کے اوقات کے علاوہ چائے اور کھانے کے بعد ایک آدھ پان ہم لوگ کھا لیا کرتے تھے۔ دفتر کے

بعض احباب کی یہ حالت تھی کہ منہ کو اگال دان بنا لیتے تھے۔ پورب میں رواج ہے کہ پیک بھر کر منہ کو فٹ بال بنا لیتے ہیں یہاں تک ایک قطرہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ تھوکتے نہیں اور درمیان میں کسی سے بات کی ضرورت پیش آئے تو عجیب انداز ہوتا ہے یعنی منہ کو اوپر اٹھا کر نیچے کا ہونٹ آگے نکالا اور زبان کو خفیف حرکت دے کر اس انداز میں بات کرتے ہیں کہ کچھ پلے پڑی کچھ نہ پڑی۔ گویا پیک سانپ کے منہ میں چھچھوندر ہے کہ جس کو نہ نگلے چین نہ اگلے چین۔

دفتر کی میز بڑی تھی۔ ایک وقت میں 20 افسران بیٹھ کر کام کرتے تھے۔ فائلوں اور کاغذات سے بھری رہتی۔ ایک دن کلرک صاحب کے گال پھولے ہوئے تھے، منہ میں ایک قطرہ زائد لعاب دہن کی گنجائش نہ تھی۔ یکا یک چھینک آئی۔ پہلے تو انہوں نے کوشش کی کہ پیک کو نگل جائیں لیکن پیک نے قضائے مبرم بن کر آ ہی لیا۔ منہ اوپر اٹھا ہوا تھا، ہاخ تھو کے بجائے ہاخ چھیں کیا گویا قیامت آ گئی۔ اندر کی ہوا کے جھٹکے سے ہونٹ اس طرح کھلے گویا ٹائر برسٹ ہو گیا ہو۔ اس کے بعد پیک اور چھالیا کی بارش ہوگئی۔ جس نے ان کی طرف منہ اٹھا کر دیکھا افشاں ہوگیا۔ تقریباً آدھے سے زائد افسروں کے کپڑے اور سرکاری کاغذات رنگ گئے۔ ہزار چھپانے کی کوشش کی لیکن معاملہ طشت از بام ہو گیا۔ تحقیقات کے بعد حکم جاری ہوا کہ دفتر میں آئندہ کوئی پان کھائے نہ لائے۔ اب تمبا کو اور چھالیا کھا کر دل بہلا لیا کرتے۔ کلرک صاحب پر ہفتوں لعن طعن ہوتی رہی۔

آدمی کی خصلت ہے کہ وہ ہر نئی چیز کو پسند کرتا ہے۔ زبان بھی نیا مزہ چاہتی ہے۔ خواہ کیسا لذیذ کھانا کھائیں فوراً تمبا کو جیسی کڑوی چیز کو دل چاہتا ہے۔ کھانا ختم ہوا، پان سگریٹ یا حقہ کو دل چاہا۔ کہتے ہیں کہ اس تلخی کا مزہ تمبا کو چبانے والے کیا جانیں۔ اب آخر میں یہ بھی سن لیجئے کہ مجھ سے پان کیوں چھوٹا۔

1918ء میں ایک روز مہا راجا بھرت پور کے محل پر ڈیوٹی تھی۔ میرے قریب خان بہادر تھے۔ انہوں نے پان کھایا اور مجھے بھی کھلا دیا۔ اگال دان کا انتظام نہیں تھا نہ باہر جا کر تھوکنے کا رواج تھا۔ منہ فٹ بال کی طرح پھولنا شروع ہوا۔ زہر کو حلق سے نیچے اتارتا رہا۔ نتیجہ یہ ہوا سر گھومنے لگا۔ بڑے افسر میرے پاس آئے اور سینہ پر ہاتھ رکھا۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ سب تمبا کو کا فساد ہے۔ صلاح دی کہ تمبا کو کھانا چھوڑ دوں البتہ حقہ اور سگریٹ جاری رکھوں کیوں کہ جسم تمبا کو کا عادی ہو چکا ہے۔ قطعی طور پر چھوڑ دینے سے مرض حبس ریاح کا اندیشہ ہے۔ چناں چہ جب تمبا کو نہیں تو پان کا کیا مزہ!

پان چھوڑے ہوئے چالیس سال سے زائد ہو گئے لیکن سال چھ مہینے میں پان کھا لیتا ہوں تو تمبا کو کو دل چاہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ پان کا جزو اعظم تمبا کو ہے۔

سرورق کی تشریح

صدیوں سے جاری فرسودہ رسوم وروایات اور مادہ پرست سوچ نے اذہان میں یہ بات بٹھادی ہے کہ آدمی کے لئے جو کچھ ہے وہ یہی دنیا ہے۔ وہ دنیا کو مادیت کی عینک سے دیکھتا ہے۔ ہمارے والدین نے وسائل کی قیمت تو ہمیں سمجھادی مگر وسائل بنانے والے کی طرف ہماری توجہ مبذول نہیں کی۔ کائنات کیا ہے، کن صفات پر مشتمل ہے اور خالق کائنات سے کیسے واقف ہوں، ان رموز کی اہمیت کا ہمیں احساس نہیں۔ زندگی میں جو کچھ ہے، ہم ہر شے کو مادی طور پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

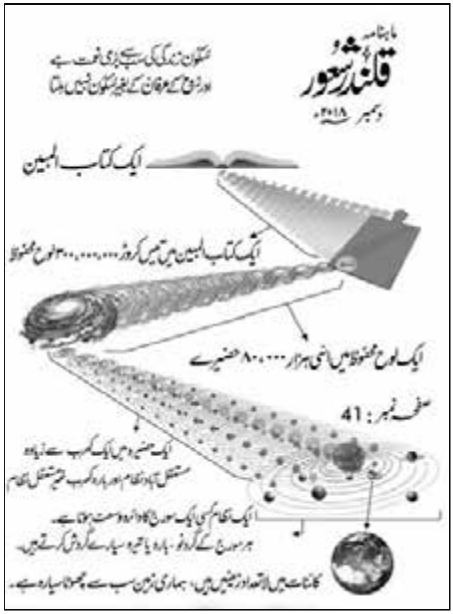

قرآن کریم میں متعدد مرتبہ لفظ ''کتاب المبین'' کا ذکر ہے۔ اس کا عمومی ترجمہ روشن، صاف کھول کر بیان کردینے والی کتاب کیا گیا ہے۔ سلسلہ عظیمیہ کے امام ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے کتاب المبین کی تشریح میں اہم نکات بیان فرمائے ہیں جس کی مختصر تفصیل دسمبر کے سرورق میں ہے۔

ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے کتاب المبین کی جو تفصیل پیش کی ہے، وہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہم ایک عالم کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہیں جب کہ زندگی ہر عالم میں موجود ہے اور قاعدہ اور ضابطہ کے تحت جاری ہے۔ ابدالِ حق فرماتے ہیں، ''ایک کتاب المبین — 30 کروڑ لوح محفوظ — ایک لوح محفوظ میں 80 ہزار حضیرے۔ ایک حضیرہ میں ایک کھرب سے زیادہ مستقل آباد نظام اور بارہ کھرب غیر مستقل نظام۔ ایک نظام کسی ایک سورج کا دائرہ وسعت ہوتا ہے۔ ہر سورج کے گرد نو، بارہ یا تیرہ سیارے گردش کرتے ہیں۔''

حساب لگانے کی کوشش کی جائے تو موجودہ سائنسی دور میں اعداد وشمار یہاں تک ساتھ دیتے ہیں،

30 کروڑ x 80ہزار = دوسو چالیس(240) کھرب حضیرے ہیں۔

240 کھرب x 1 کھرب = 24 لاکھ کوئنٹیلین آباد نظام ہیں۔

واضح رہے کہ ایک کوئنٹیلین (Quintillion) میں عدد ایک کے بعد اٹھارہ صفر لگتے ہیں۔

240 کھرب x 12 کھرب = دوکروڑ88لاکھ کوئنٹیلین غیر مستقل نظام ہیں۔

شعور میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ اتنے بڑے نظام کا احاطہ کر سکے۔ان نظاموں میں مخلوقات کی تعداد کا حساب ممکن نہیں۔اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر — ارفع واعلیٰ — قادروقدیر — رحمٰن ورحیم ہیں کہ ایک حکم سے بے مثال نظام اوران میں وسائل تخلیق فرمائے۔

خالق کائنات نے قرآن کریم میں اپنا تعارف رب العالمین، اور اپنے محبوب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رحمۃ للعالمین فرمایا ہے۔اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے قرب سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ کوئی واقف نہیں۔عالمین سے واقف ہونے کا فارمولا قرآن کریم میں بیان ہے۔

''اے جن وانس! تم زمین وآسمان کے کناروں سے نکل کر دکھاؤ، تم نہیں نکل سکتے مگر سلطان سے۔'' (الرحمٰن:۳۳)

(محمد عاشق۔ایبٹ آباد)

(★ قارئین کو دعوت ہے کہ وہ اوپر لکھی گئی ایکویشن کا حساب لکھیں اور ادارہ ''ماہنامہ قلندر شعور'' کو بھیج دیں۔)

کائنات لاشمار عالمین کی اکائی ہے اور ہر عالم — علم ہے۔علم کے درجات ہیں جن کا تعلق فہم سے ہے۔نیند کی دنیا کا سب کو تجربہ ہے۔ہم بیداری کے بعد نیند کی دنیا میں داخل ہوتے ہیں، وہاں اسی طرح زندگی گزارتے ہیں جیسی یہاں گزار رہے ہیں۔جو وسائل اور تقاضے یہاں ہیں، وہاں بھی موجود ہیں البتہ خواب اور بیداری کو جو شے الگ کرتی ہے وہ رفتار ہے۔مادی دنیا یا لطیفہ نفسی کی اس دنیا میں رفتار کم ترین درجہ پر ہے اور فرد ٹائم اور اسپیس کی حد بندیوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ جب تک ایک قدم نہ اٹھائے، دوسرا نہیں اٹھتا۔خواب کی صورت حال مختلف ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم خواب میں بھی خواب دیکھتے ہیں۔واضح ہوتا ہے کہ خواب کے بعد بھی عالمین ہیں اور ہر عالم میں درجہ بندی رفتار کے سبب ہے۔

رفتار کیا ہے —؟ فہم میں وسعت ہے۔جتنی زیادہ وسعت ہوتی ہے ذہن کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔وسعت سے مراد ڈائی مینشن سے آزاد ذہن ہے۔اس ذہن کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم شعور کی بنیاد یعنی سماعت، بصارت، ادراک، لمس اور گویائی کی حقیقت تلاش کریں۔بالفاظ دیگر ہمیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ سماعت

کیا ہے، کس نے عطا کی۔ یہی صورت دیگر حسیات کی ہے۔ اسی طرح بندہ شے یعنی ڈائی مینشن کو دیکھے تو جاننے کی کوشش کرے کہ ڈائی مینشن کس بنیاد پر قائم ہے۔ بنیاد ــــ نور ہے۔ اللہ ــــ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اور نور میں ڈائی مینشن مغلوب ہیں۔ کتاب المبین کی تشریح پر تفکر سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک ہم نور سے واقف نہیں ہوں گے، زمین کے کناروں سے نہیں نکل سکتے اور نہ دیگر عالمین کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ البتہ تفکر سے ذہن میں آیا کہ اتنی بڑی اسپیس کہاں پر ہے ــــ؟ اور ٹائم اسپیس کا مغلوب ہونا کیا ہے؟ کیوں کہ جس عالم میں ٹائم اور اسپیس مغلوب ہوں، وہاں اسپیس کا وجود سوالیہ نشان ہے۔ عظیمی صاحب کی تحریروں سے سوال کا جواب یہ سمجھ میں آیا ہے کہ جو کچھ ہے، فلم کے فیتہ میں ہے۔ فیتہ کھلتا ہے تو اسپیس پھیلتی ہے، فیتہ بند ہوتا ہے تو اسپیس سمٹ جاتی ہے۔ درحقیقت اسپیس کیا ہے، ہم نہیں جانتے۔ (بی بی مریم۔ کراچی)

اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان تخلیق، کائنات کتنی وسیع ہے، اس کا اندازہ شعور سے بالاتر ہے۔ ابدالِ حق حضور قلندر بابا اولیاؒ نے عالمین کی تفصیل کو جس طرح پیش کیا ہے، مادی تحقیق و تلاش اس کے قریب بھی نہیں۔ کائناتی پروگرام ایک فلم ہے اور فلم ریکارڈ ہے۔ جو فرد قرآن کریم میں غیر جانب دار تفکر کرتا ہے، اس پر کائناتی ریکارڈ تفکر میں گہرائی کی مناسبت سے منکشف ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس ریکارڈ کو کتاب المبین کہا گیا ہے۔

''آسمان اور زمین میں کوئی چھپی ہوئی چیز ایسی نہیں جو کتاب المبین میں لکھی ہوئی نہ ہو۔'' (النمل: ۷۵)

(عدنان نذیر۔ اٹک)

کائنات اللہ تعالیٰ کے ذہن میں موجود پروگرام کا عکس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پروگرام کو ظاہر کرنا چاہا تو جو کچھ جس ترتیب کے ساتھ موجود تھا، وہ حکم کے ساتھ جس بساط پر ظاہر ہوا، اسے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ لوح محفوظ کا علم ہر فرد کے باطن میں موجود ہے۔ کائنات ــــ کُن کی روشنی پر قائم ہے اور ہر دم اپنے وجود کے لئے اللہ تعالیٰ کے امر کی محتاج ہے۔ اللہ کے حکم یعنی کُن سے ہمارا تعلق سانس کے ذریعے قائم ہے۔ سانس ــــ اطلاع ہے۔ اطلاع نوری تمثیلات ہیں۔ یہ تمثیلات غیب کی خبروں پر مشتمل ہیں۔ غیب کی ہر خبر لوح محفوظ پر نقش خاکے یا تصاویر ہیں۔ لوح محفوظ سے عالم ناسوت کو آنے والی اطلاع مظہر بن کر واپس لوح محفوظ پر لوٹ جاتی ہے۔ کائناتی تشکیل کا یہ پروگرام علم القلم کہلاتا ہے۔ (پروفیسر طاہر۔ چنیوٹ)

عثمان طاہر

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

شخصیت طرز فکر سے بنتی ہے اور طرز فکر کشش اور گریز کے عمل سے منسلک ہے۔

ظاہر اور باطن — جب میں یہ الفاظ سنتا یا پڑھتا ہوں تو فکر میں گہرائی پیدا ہوتی ہے اور مجھے سوچنے کی ترغیب دیتی ہے کہ میں ان کی کنہ تلاش کروں۔

تفکر کی ابتدا میں یہی سمجھتا رہا کہ ظاہر — باطن سے الگ ہے۔ ایک فکشن ہے اور دوسرا حقیقت ہے۔ کچھ عرصہ بعد آشکار ہوا کہ جو باطن میں ہے وہی ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ جب تک باطن نہ ہو، مظاہرہ نہیں ہوتا۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد ایک اور زاویہ روشن ہوا کہ میں باطن میں کائنات سے واقف ہوں اور لمحوں میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر پہنچتا ہوں جب کہ ظاہر میں اسپیس کا پابند ہوں، ایسا کیوں ہے — ؟

مجھے احساس ہوا کہ اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ ظاہر باطن سے الگ ہے — ؟ اگر ایک ہوتا تو جو کچھ میں اندر ہوں، وہی باہر نظر آتا۔

تھوڑے عرصہ بعد تفکر سے ایک اور دروازہ کھلا کہ میرے نزدیک باطن کی تعریف کیا ہے — ؟ میرا یہ ماننا کہ ظاہر میں جو کچھ ہے وہ فکشن ہے تو اس فکشن کی ترغیب میرے اندر ہے۔ ذہن کی اسکرین پر کوئی شے جس طرح نظر آتی ہے، میں اسے ویسا دیکھتا ہوں۔ اندر اسکرین پر چیزوں کے عکس میں ردوبدل سے باہر تبدیلی نظر آتی ہے۔ پھر ظاہر باطن سے الگ کیسے ہوا؟

بہت سوچ بچار کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ ظاہر باطن سے الگ ہے اور ظاہر اور باطن میں فرق نہیں۔ پھر حقیقت سے واقف ہونے میں مسئلہ یار کاوٹ کہاں ہے — ؟

سمجھنے کے لئے مثالوں سے چیزوں کو پرکھا۔ جیسے،

۱۔ سوچ اندر پیدا ہوتی ہے اور اس کے تحت عمل اور ردعمل باہر بھی ہوتا ہے۔

۲۔ تفکر باطن میں کیا جاتا ہے۔ بندہ کسی چیز کو نظر جما کر دیکھتا ہے تو نظر ایک جگہ رکنے سے نگاہ اس چیز کو اندر دیکھنا شروع کرتی ہے۔ جب تک اندر عکس نہیں بنتا، باہر نظر نہیں آتا۔

۳۔ زندگی میں خواب اور خیال کی دنیا دونوں اہم ہیں۔ ظاہر سے نظر ہٹا لینے یا نیند کے اس پار خواب کا دروازہ کھلتا ہے جہاں بیداری کی طرح کی دنیا ہے مگر فرد جانتا ہے کہ یہ دنیا اندر ہے۔ جاگنے کے بعد وہ غور

کرتا ہے کہ یہ سب میں نے اندر دیکھا۔ خیال بھی اندر دیکھا جاتا ہے اور اس کے تحت مظاہرہ ہوتا ہے۔

۴۔ عمل دراصل اندر ہوتا ہے۔ مثلاً میں نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے دوست سے ملنے جانا ہے۔ فیصلہ کرتے ہی میں خیال میں نفیس اور صاف ستھرا لباس زیب تن کئے دوست کے مہمان خانہ میں بیٹھا اس سے باتیں کرتا ہوں۔

۵۔ جسمانی اعضا کو حرکت اندر سے ملتی ہے۔ ڈیڈ باڈی کی مثال سے وضاحت ہوجاتی ہے۔

۶۔ بیماری اندر گھر بناتی ہے، باہر مظاہرہ ہے۔ بیماری کو دور کرنے کے لئے ادویات جراثیم کو مارتی ہیں اور ناتوانی، توانائی میں تبدیل ہوجاتی ہے۔

۷۔ خوب صورتی کا تعلق بھی اندر سے ہے۔ اندر حسد اور نفرت ہو تو چہرہ سے نرمی دور ہوجاتی ہے۔ جلد کی خرابی درپیش ہو تو خون کی صفائی کے لئے پانی زیادہ پینے کی ہدایت کی جاتی ہے، ساتھ میں معالج ایسی ادویات تجویز کرتا ہے جن سے خون صاف ہو۔ جلد پر بہترین کریم لگالیں لیکن اعضا میں خشکی، خون میں گاڑھا پن، ہاضمہ یا جگر کے نظام میں خرابی ہو تو جلد بے رونق ہوجاتی ہے — داغ دھبے ظاہر ہوتے ہیں۔ خوب صورتی کے لئے اندر میں صفائی کی ضرورت ہے جس میں جسمانی نظام کے ساتھ مثبت رویہ اہم ہے۔

اس جیسی بے شمار مثالیں ہیں اور سب میں یہ بات یکساں ہے کہ جب تک تحریک پیدا نہ ہو، مظاہرہ نہیں ہوتا۔ یعنی جو کچھ ظاہر ہے وہی باطن ہے اور جو باطن ہے وہی ظاہر ہے۔ پھر ظاہر اور باطن میں فرق کیوں ہے، میں باطن سے واقف کیوں نہیں اور ظاہر کس طرح فکشن ہے —؟

غور وفکر سے اس نتیجہ پر پہنچا کہ دراصل میں باطن سے واقف نہیں ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ ہر کام کی تحریک اندر پیدا ہوتی ہے لیکن میں نے اندر میں غور نہیں کیا اور یہی سمجھا کہ جب تک ہاتھ پیر حرکت نہ کریں، آنکھیں دیکھیں نہیں، کان سنیں نہیں — میں دیکھتا اور سنتا نہیں ہوں۔

گھڑی ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی تھی۔ آفس کے لئے دیر ہورہی تھی، جلدی جلدی بال بنائے، پرفیوم اسپرے کیا اور گھڑی اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا — گھڑی وہاں نہیں تھی۔ کمرے کی دیگر درازیں چھان ماریں، واش روم گیا، ناشتے کی ٹیبل دیکھ لی لیکن گھڑی نہیں ملی۔

واپس کمرے میں آیا تو بیگم نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے نظر ڈالی اور بیگم کو حیران ہوکر دیکھا کہ گھڑی کہاں ہے؟ اس نے خود جاکر پرفیوم اور کنگھی کے درمیان رکھی گھڑی مجھے دی۔

میں چونک گیا، گھڑی لی اور اللہ حافظ کہتے ہوئے آفس کے لئے نکلا۔ گاڑی چلاتے ہوئے سوچتا رہا کہ جب گھڑی میز پر موجود تھی، نظر کیوں نہیں آئی —؟

دن اس سوچ میں گزر گیا۔

پھر ایک صوفی کی تحریر نظر سے گزری۔ لکھا تھا،

''اندر کی دنیا میں وقت اور فاصلہ باہر کی دنیا سے الگ ہے۔ نگاہ اس وقت دیکھتی ہے جب اندر اور باہر میں فاصلہ ہو۔ اندر میں دنیا کیا ہے—؟ وہی کچھ ہے جسے ہم باہر دیکھتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم باہر نہیں اندر دیکھتے ہیں جب تک باہر موجود شے کا عکس اندر منعکس نہ ہو، آنکھ نہیں دیکھتی۔''

گرہ کھل گئی تھی کہ گھڑی کا عکس اندر نہیں بنا اس لئے باہر موجود ہوتے ہوئے بھی مجھے نظر نہیں آئی۔ عکس کیوں نہیں بنا—؟ ایسا ہو نہیں سکتا کہ آنکھ نے گھڑی ٹیبل پر نہ دیکھی ہو کیوں کہ آنکھ گھڑی کو ہی ڈھونڈ رہی تھی۔ مندرجہ بالا اقتباس میں ظاہر و باطن کا قانون بیان ہے۔ تاہم مضمون کے پیش نظر صرف اس قانون کے ایک پہلو پر بات کی گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس وقت میں گھڑی تلاش کر رہا تھا، جلدی میں تھا اور ذہن پر آفس وقت پر پہنچنے کی دھن سوار تھی۔ میں گھڑی کو دیکھ کر بھی گھڑی کو نہیں بلکہ ذہن میں خود کو گاڑی تیز چلاتے، ٹریفک میں راستہ بناتے اور تیزی سے آفس کی عمارت میں داخل ہوتے دیکھ رہا تھا، ایسے میں سامنے رکھی گھڑی پر نظر کیسے جاتی—؟

میرے لئے یہ نکتہ باریک اور گہرا تھا کہ کسی شے کو دیکھ کر ذہن میں دوسری شے کی تصویر ہو تو سامنے موجود چیز نظر نہیں آتی۔

ہم اپنے باطن کی تصویر ہیں۔ اگر ہم باطن سے واقف نہیں ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے اندر نہیں دیکھا، اس لئے باہر وہ نظر آتا ہے جو نہیں ہے۔

شے کا تعلق ماخذ (source) سے ہے۔ رشتے ناتے کے حوالہ سے بچہ کا سورس ماں باپ ہیں۔ بچہ کو دیکھ کر سب کہتے ہیں کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے۔ آدمی جہاں کام کرتا ہے، لوگ تعارف کراتے ہیں کہ یہ صاحب فلاں جگہ کام کرتے ہیں۔ فرد جس کام کے لئے جس ماخذ سے منسلک ہے، وہ ماخذ اس کی پہچان ہے۔

باطنی نگاہ سے ناواقف شخص باہر اس لئے فکشن دیکھتا ہے کہ وہ اپنے اندر حقیقی آنکھ کی طرف متوجہ نہیں۔ اسی طرح حقیقت سے واقف فرد کے لئے باہر کی دنیا حقیقی ہے۔ دونوں مثالوں میں فرد اپنے باطن کا عکس ہے۔

بندہ سکت کے مطابق باطن سے واقف ہوتا ہے اور سکت تفکر سے پیدا ہوتی ہے۔ تفکر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ذہن کو کثرت سے ہٹا کر ایک نکتہ پر مرکوز کر دیتی ہے۔ اس عمل پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ذہن میں کثرت ہوتی ہے تو نگاہ ٹھہرتی نہیں، ایک منظر دیکھا نہیں کہ دوسرا سامنے آ گیا جس سے بہت ساری چیزوں میں سے ایک چیز بھی نہیں کھلتی۔

کھلنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ شے جن اجزا سے مرکب ہے، وہ اجزا ظاہر ہو جائیں۔ ذہن ایک شے پر مرکوز ہونے سے نگاہ اپنا مرکز بدلنے کے بجائے اندر داخل ہوتی ہے اور پرت در پرت کھلتے ہیں۔

شخصیت طرز فکر سے بنتی ہے اور طرز فکر کشش اور

گریز کے عمل سے منسلک ہے۔آدمی باہر نظر آنے والی چیزوں کو زندگی سمجھتا ہے تو یہ اندر کی دنیا سے گریز ہے۔ اور اگر وہ اندر کی دنیا کو اصل سمجھتا ہے تو جو کچھ وہ باہر دیکھتا ہے یہ اس سے گریز ہے مگر یہ ایسا گریز ہے جس سے ظاہر متاثر نہیں ہوتا کیوں کہ اس کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ میں باہر نہیں اندر دیکھ رہا ہوں۔

کیا ٹی وی دیکھتے ہوئے خیال آتا ہے کہ اسکرین پر پروگرام کہیں سے آرہا ہے —؟ ذہن مناظر میں محو ہونے کی وجہ سے خیال نہیں جاتا کہ پروگرام کہیں سے لہروں کے ذریعے ٹی وی اسکرین پر منعکس ہورہا ہے اور صرف ہم نہیں — ہزاروں لاکھوں لوگ اس وقت اس کو دیکھ رہے ہیں۔جن لوگوں کو کنہ سے واقف ہونے کی جستجو ہوتی ہے وہ تلاش کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے کیا ہے،اس کے پیچھے کیا ہے اور پھر جو نظر آیا اس کے پیچھے کیا ہے۔غور وفکر سے زمان ومکان کا ادراک ہوتا ہے۔

حضرت علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں،

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں
اسی روزوشب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکان اور بھی ہیں

تخم میں شجر — شجر میں تخم

حضرت ذوقی شاہؒ کے مرشد مولانا شاہ حسن وارثؒ فرماتے ہیں — تخم وشجر کے باہمی تعلق پر غور کرو۔ دیکھو تخم درخت کی ابتدا ہے۔تخم کتنی چھوٹی چیز ہے اور درخت کتنا بڑا ہوتا ہے، بظاہر دونوں میں مناسبت نظر نہیں آتی لیکن درخت ذرا سے تخم میں مخفی ہے۔جب تخم آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے تو یہ ظاہر ہے اور درخت باطن۔ جب تخم کو زمین میں چھپایا گیا اور درخت اگنا شروع ہوا تو تخم باطن ہوگیا اور درخت ظاہر۔یعنی تخم اس درخت میں موجود ہے۔یقین نہ آئے تو قلم لگا کر دیکھ لو۔درخت میں پھر پھول آتا ہے، پھل لگتا ہے اور پھل کے اندر وہی تخم موجود ہوتا ہے۔تخم سے ابتدا ہوئی اور اس پر اختتام بھی، ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ جب تخم ظاہر تھا تو درخت باطن، جب تخم باطن ہوا تو درخت ظاہر ہوگیا۔یہ مثال روح اور دنیا کو سمجھنے کے لئے ہے۔روح کا تعلق چوں کہ عالم ملکوت سے ہے اور اس کے ذریعے حرکت ظاہر ہوتی ہے لہٰذا اسے سمجھنے کے لئے اسے تخم سے اور دنیا کو شجر سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔انسان اس شجر کا پھل ہے۔جس طرح پھل میں تخم موجود ہوتا ہے اسی طرح درخت میں تخم موجود ہے۔یہی مثال روح کی ہے۔ اسی دور کو ''ھوالاول اور ھوالآخر'' کہتے ہیں اور یہی ''ھوالظاہر اور ھوالباطن'' ہے۔

تالیف: قرۃ العین واسطی

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزیؒ نہ شد

شراب ہم سے مست ہوئی ہے نہ کہ ہم شراب سے مست ہوئے ہیں۔ یہ جسم روح کے فیض سے موجود ہے — روح جسم کی محتاج نہیں۔

روم سے ہزاروں میل دور ملک ایران کے شہر تبریز میں ایک بزرگ حضرت شمس تبریزیؒ نے بارگاہ رب العزت میں انکساری و نیازمندی سے دعا کی،

''اے اللہ اپنی محبت کا جو خزانہ آپ نے میرے سینہ میں رکھا ہے، ایسا بندہ عطا فرما جسے یہ امانت منتقل کردوں اور وہ بندہ زبان عشق سے ان اسرار کو الہامی تعلیمات کے مطابق بیان کرے۔''

دعا قبول ہوئی — ہاتف غیبی نے حکم دیا،

''روم جاؤ وہاں جلال الدین رومی ہیں۔ ہم نے تمہارے لئے ان کا انتخاب کیا ہے۔''

کسی شاعر نے اس واقعہ کو بخوبی قلم بند کیا ہے،

غیب سے سامان رومیؒ کا ہوا
شمس تبریزیؒ نے کی حق سے دعا
اے خدا جو آگ میرے دل میں ہے
جو تڑپ اس نیم جاں بسمل میں ہے
وقت رخصت کا ہے اب میرا قریب
کس کو سونپوں یہ امانت اے حبیب
پس اچانک غیب سے آئی صدا
شمس تبریزی تو فوراً روم جا
مولوی رومی کو کر مولائے روم
اس کو فارغ کر تو از غوغائے روم

حضرت شمس تبریزیؒ روانہ ہوئے اور روم کے شہر قونیہ پہنچ گئے۔ یہاں ایک سرائے میں قیام فرمایا۔ سرائے کے قریب چبوترا تھا جہاں عمائدین کی نشست ہوتی تھی۔ قریب تالاب تھا۔ حضرت شمس تبریزیؒ کی مولانا رومؒ سے ملاقات اسی مقام پر ہوئی۔

حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ 604ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ والد شیخ بہاء الدین اپنے وقت کے بڑے عالم تھے۔ خراسان کا پورا علاقہ ان کا مرید تھا۔ بادشاہ محمد خوارزم شاہ بھی عقیدت مند تھا۔ چھ سال کی عمر میں والد انہیں لے کر بابا فرید الدین عطارؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عطارؒ نے اپنی مثنوی ''اسرار نامہ'' بچہ کو تحفہ میں دی اور والد سے فرمایا کہ یہ لڑکا ایک دن نام پیدا کرے گا۔

جلال الدین رومیؒ نے ابتدائی تعلیم کے بعد دمشق کا رخ کیا، سات سال قیام کے دوران علوم وفنون

حاصل کئے۔ظاہری علوم میں اس وقت ان کی نظیر نہیں تھی۔تحصیل علم کے بعد مولانا رومؒ رائج علوم کی درس و تدریس میں مشغول ہوگئے البتہ یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہا۔اب تک انہوں نے ظاہری تعلیم حاصل کرنے میں وقت گزارا پھر درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے مگر اب ان کی باطنی تربیت کا وقت آ گیا تھا۔

ایک روز مولانا رومؒ وعظ میں مصروف تھے۔ان کے قلمی نسخے قریب رکھے تھے۔ایک بزرگ تھکے ہارے،جسم اور کپڑے گرد و غبار سے پُر تھے۔

لگتا تھا کہ مسافرت میں ہیں۔

مسافر پر نظر پڑی تو وعظ روک دیا اور پوچھا،اے درویش! کہاں سے آ رہے ہو اور کس سے ملنا ہے؟

درویش نے سوال کو نظر انداز کر کے کتابوں کی طرف اشارہ کیا،یہ کیا ہیں—؟

مولانا رومؒ نے کہا،تم ان کے بارے میں نہیں جانتے،ان کا تعلق علم والوں سے ہے۔

درویش نے کتابیں اٹھائیں اور تالاب میں پھینک دیں۔مولانا رومؒ غضب ناک ہوگئے۔اے بے علم! یہ کیا کیا،برسوں کی کمائی اس طرح ضائع کر دی؟

درویش خاموشی سے مسکراتے رہے پھر تالاب میں ہاتھ ڈال کر کتابیں نکال لیں۔کوئی ایک کتاب بھی گیلی نہیں تھی اور نہ سیاہی خراب ہوئی تھی۔

اپنے وقت کے عالم و فاضل نے جب یہ منظر دیکھا تو حیرت سے پوچھا،درویش! یہ کیا ہے—؟

درویش نے جواب دیا،یہ تمہارے جاننے کی بات نہیں،اس کو صاحب علم سمجھتے ہیں۔تم اس کے متعلق نہ پوچھو۔تمہیں کتابیں درکار تھیں،وہ مل گئیں۔

یہ کہہ کر درویش چل دیئے۔

مولانا جلال الدین رومؒ کو احساس ہوا کہ یہ صاحب کرامت بزرگ ہیں،فوراً پیچھے گئے،معافی مانگی اور عرض کیا،اپنی شاگردی میں لے لیجئے۔

حضرت شمس تبریزیؒ سے ملاقات کے بعد قلب میں آتش عشق مظہر بننے کو بے قرار تھی۔فرماتے ہیں،

درسشاں آشوب و چرخ و زلزلہ
نہ زیادات است و بابِ سلسلہ

ترجمہ:عاشقوں کا درس محبوب حقیقی کی یاد میں گریہ وزاری اور وجد میں رقص ہے نہ کہ کتب معقولات کا پڑھانا۔

عاشقان را شد مدرس حسن دوست
دفتر و درس و سبقشان روئے اوست

ترجمہ:عاشقوں کے لئے محبوب کا حسن مدرس ہے۔اس کا چہرہ ہی مدرسہ اور درس کے اسباق ہیں۔

خم کہ از دریا درو راہے شود
پیش او جیحون ھا زانو زند

ترجمہ: وہ مٹکا جس کو سمندر سے رابطہ نصیب ہوجائے اس کے سامنے جیحون جیسے بہت سے دریا باادب گزرتے ہیں کیوں کہ دریائے جیحون تو خشک ہوسکتا ہے لیکن یہ چھوٹا مٹکا جس کا رابطہ سمندر سے قائم

ہو گیا ہے، خشک نہیں ہو گا۔

حضرت تبریزیؒ کی قربت میں مولانا رومؒ کا دل بدل گیا۔ مرشد نے شاگرد کو حقیقی عشق سے متعارف کرایا اور عرفان الٰہی کی طرف متوجہ کیا۔ عشق حقیقی سے سرشاری، مستی و وارفتگی غالب رہنے لگی۔ پیرومرشد کی خدمت میں حاضر باش رہتے، جدائی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں،

ہر چہ غیر شورش و دیوانگی است
اندریں رہ دوری و بے گانگی است

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی محبت میں دیوانگی کے سوا دنیا کے سب افسانے دوری اور بے گانگی کے مصداق ہیں۔

عشق نے دیوانہ کیا تو پالکی رہی نہ جبہ و دستار نہ شاگردوں کا ہجوم۔ شان فقر غالب ہونے سے علم کی حقیقت منکشف ہوئی۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ حقیقی علم درحقیقت اللہ تعالیٰ کی محبت کا نام ہے۔ جو شخص علم حقیقی کی طرف متوجہ نہ ہو تو اس کا علم ابلیس لعین کی تلبیس (فریب دینا) کا ذریعہ ہوتا ہے۔

مولانا رومؒ طریقت میں داخل ہوئے تو ظاہری علوم کی حیثیت ان کے نزدیک قیل وقال کی رہ گئی۔

قال را بگذار مرد حال شو
پیش مرد کاملے پامال شو

ترجمہ: زبانی تقریروں اور محض قیل وقال کو چھوڑ کر صاحب حال بنو یعنی دل میں حق تعالیٰ کی محبت حاصل کرو لیکن یہ نعمت اس وقت ملتی ہے جب کسی صاحب کمال کی قربت حاصل ہو جائے۔

مولانا رومؒ نے لکھا ہے کہ مرشد کی برکت سے جب میرے برے اعمال ترک ہو گئے اور نفس اخلاق حمیدہ سے متصف ہوا تو اب میں حق تعالیٰ کے نور سے سنتا ہوں اور حق تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہوں، خود پر محیط اللہ کے نور کا مشاہدہ کرتا ہوں اور نور حق کو اپنے سر اور گردن میں مثل طوق کے پاتا ہوں۔ اس مستی کا یہ عالم ہے کہ

بادہ در جوشش گدائے جوش ماست
چرخ در گردش گدائے ہوش ماست

ترجمہ: شراب اپنی شورش میں ہمارے جوش کی گدا ہے اور آسمان اپنی گردش میں ہمارے ہوش کا قیدی ہے۔

بادہ از ما مست نے کہ ما ازو
قالب از ما ہست نے کہ ما ازو

ترجمہ: شراب ہم سے مست ہوئی ہے نہ کہ ہم شراب سے مست ہوئے ہیں۔ یہ جسم روح کے فیض سے موجود ہے — روح جسم کی محتاج نہیں۔

روح عالم امر سے متعلق ہے جب کہ عالم ناسوت قید خانہ ہے۔ پس جب عارف عشق حقیقی کے آثار اپنے اندر محسوس کرتا ہے تو اس کو عالم فانی کی مستی محتاج و گدا معلوم ہوتی ہے۔ مولانا رومیؒ پر حال منکشف ہوا، قیل وقال بے معنی ہو گئے۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

ترجمہ: دلائل اور استدلال کے پیر لکڑی کے ہیں اور

لکڑی کے پاؤں نہایت بودے اور کم زور ہوتے ہیں۔

جو معرفت اعمال صالحہ اور عشق حقیقی کی برکت سے نصیب ہوتی ہے وہ پائیدار ہے۔ ذکر کی کثرت اور اہل اللہ کی قربت سے جو یقین حاصل ہوتا ہے اس میں استقامت ہے۔

حضرت شمس الدین تبریزیؒ سے ملنے کے بعد دل سے جاہ و منصب کی محبت دور ہوگئی۔ اپنے حال کو ان الفاظ میں بیان فرمایا،

این چنیں شیخ گدائے کو بکو
عشق آمد لا ابالی فَاتّقوا

ترجمہ: اتنا بڑا شیخ آج گدا بن کر جگہ جگہ پھر رہا ہے یہ تعجب کی بات نہیں کہ عشق اسی شان سے آتا ہے۔ پس عشق کا جھوٹا دعویٰ کرنے والو! ہوشیار ہو جاؤ۔

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں،

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزیؒ نہ شد

ترجمہ: میں مولائے روم نہیں تھا جب تک کہ حضرت شمس تبریزیؒ کی غلامی میں نہیں آیا۔

پیر کی تعریف میں وہ مست و بےخود ہو جاتے ہیں۔

پیر باشد نردبان آسماں
تیر پرّان از کہ گردد از کماں

ترجمہ: پیر کا وجود حق تعالیٰ تک رسائی کے لئے مثل سیڑھی کے ہے کہ تیر کا تیز رفتاری سے اڑنا بغیر کمان کے کب ہوتا ہے۔

عشق الٰہی نے اثر کیا تو کیفیت لوگوں سے چھپی نہ رہ سکی۔ پند و نصائح چھوڑ دیئے۔ پورا شہر مرید تھا لہٰذا شہر بھر میں شور مچ گیا کہ شمس تبریزیؒ نے ان پر جادو کر دیا ہے۔ ان کے شاگردوں کو شیخ تبریزیؒ سے ان کی عقیدت ایک آنکھ نہ بھاتی، رفتہ رفتہ لوگوں کی گستاخیاں بڑھ گئیں۔ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ شر پسندی سے محفوظ رہنے کے لئے حضرت تبریزیؒ خاموشی سے دمشق چلے گئے۔ شاگرد فراق کو برداشت نہ کر سکا اور حالت ناگفتہ بہ ہوگئی۔ مریدین نے یہ دیکھا تو ایک وفد دمشق گیا اور حضرت شمس تبریزیؒ سے واپس آنے کی درخواست کی۔ وہ قونیہ آنے پر تیار ہوگئے۔ لیکن یہاں آنے کے بعد پھر مسائل شروع ہوئے اور وہ کچھ عرصہ قیام کے بعد پھر غائب ہوگئے۔ کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں گئے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ سازش کے تحت شہید کر دیئے گئے۔

پیرومرشد کی جدائی نے مرید کو بےحال کر دیا۔

مثنوی معنوی — مولانا رومؒ کی ایسی تصنیف ہے جو زمانے گزر جانے کے باوجود معروف ہے۔ ان پر حضرت شمس تبریزیؒ کے فیض کا اظہار مثنوی معنوی سے ہوتا ہے۔ اس میں کم و بیش چھبیس ہزار اشعار ہیں۔ کتاب کی چھٹی جلد انہوں نے نامکمل چھوڑ دی اور فرمایا،

باقیِ ایں گفتہ آید بے زباں
در دلِ ہر کس کہ دارد نور جاں

ترجمہ: جونور باطن رکھتا ہے اس کے دل میں اس مثنوی کا باقی حصہ روشن ہو جائے گا۔

مثنوی میں جہاں ذات وصفات کی معرفت کا ذکر ہے، وہاں حکایتوں کے ذریعے اخلاق حسنہ کی تعلیم بھی دی گئی ہے۔ایک حکایت مختصر پیش ہے۔

کسی نہر کے کنارے بلند دیوار تھی۔ دیوار کے دوسری طرف ایک شخص پیاس کی شدت سے بے حال — پانی کے لئے بے قرار تھا۔ دیوار سے ایک اینٹ نکال کر پانی میں پھینکی۔ پانی کی آواز سے تسلی ہوئی۔ وہ ایک ایک کر کے اینٹ پانی میں پھینکتا گیا۔ پانی بولا تم مجھے اینٹ سے کیوں مارتے ہو، تمہیں اس سے کیا فائدہ مل رہا ہے؟ پیاسا بولا، پہلا فائدہ پانی کی آواز سننا ہے کہ پیاسوں کے لئے یہ آواز ساز ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دیوار اینٹوں کی کمی سے کم ہو رہی ہے اور اسی مناسبت سے پانی سے قرب بڑھ رہا ہے یعنی دیوار کی جدائی پانی کی ملاقات کا ذریعہ ہے۔ سبق یہ ہے کہ نفس کی دیوار جس قدر پست ہوگی، سالک دریا سے قریب ہوتا جائے گا یہاں تک کہ ایک روز دیوار باقی نہیں رہے گی۔

مولانا رومؒ نے اولیاء اللہ کی صفات کو بھی بخوبی بیان فرمایا ہے۔اس بارے میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ فرماتے ہیں کہ مثنوی میں اولیاء اللہ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں یہ مولانا رومؒ کے چشم دید مشاہدات ہیں جو انہیں مرشد کے طفیل حاصل ہوئے۔

اولیا را در دروں ھم نغمہ ھاست
طالباں را زاں حیات بے بہاست

ترجمہ: اولیاء اللہ کے قلب میں عشق حقیقی کے ہزاروں نغمات چھپے ہوئے ہیں جن سے طالبین کو حیات بے بہا عطا ہوتی ہے۔

وہ لوگوں کو غفلت کی نیند سے جاگنے، عاشقوں کا راستہ اختیار کرنے اور شب بیداری کی تلقین کرتے ہیں۔

خواب را بگذار امشب اے پدر
یک شبے بر کوئے بے خواباں گذر

ترجمہ: اے پدر ایک رات نیند کو ترک کر کے ذرا بے خوابوں کی گلی میں تو آ کر دیکھ۔

بنگر اینھا را کہ مجنون گشتہ اند
ہمچو پروانہ بوصلت کشتہ اند

ترجمہ: پھر دیکھ ان بے خوابوں کو کہ عشق حقیقی نے کیسا مجنوں کر رکھا ہے اور پروانوں کی طرح یہ تجلیات قرب سے کیسے کشتہ ہو رہے ہیں۔

مولانا جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ دنیا داروں کے پاس دنیا کے لئے جاتے ہیں اور ان کے سامنے تواضع اختیار کرتے ہیں حالاں کہ یہ نادان اور بے وقوف ہیں۔ اور اگر کبھی یہ اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضر ہوں تو تکبر سے پیش آتے ہیں حالاں کہ یہ ہستیاں درحقیقت سلطانیت کی شان رکھتی ہیں۔

انہوں نے مادی دنیا کو کرگس * سے تشبیہ دی ہے۔

کرگس (گدھ)

فرماتے ہیں کہ میں باز شاہی ہوں اور عشق سلطانی کی برکت سے خوش مزاج ہو گیا ہوں۔ عشق حقیقی کے فیض سے میرے اندر کرگس کی صفات دور ہو کر شہباز کی صفات غالب ہوگئی ہیں۔ اب میں عشق حقیقی میں ڈوب کر مردار خوری سے باز آ گیا ہوں۔

وہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ اگر بندوں کی ہدایت کا سامان نہ فرمائیں تو کسی کو ہدایت نہ ہو۔ محبت اور تڑپ اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ کرم فرماتے ہیں لہٰذا کسی کو اپنی حالت پر ناز نہیں کرنا چاہئے کہ یہ درد محبت اور سوز و گداز — عنایت ہے۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ بہت سے اسرار ظاہر نہیں کرتے کیوں کہ سطحی سوچ رموز الٰہی کے فہم سے قاصر ہے۔ البتہ بعض اوقات غیر ارادی طور پر زبان سے رموز کا اظہار ہو جاتا ہے تاکہ اہل ذوق کو اُس عالم کی کچھ خوش بو مل جائے۔

راہ سلوک کیسے طے ہو — ؟ مولانا روم فرماتے ہیں،

راہ کن دراندرون ھا خویش را
دور کن ادراک غیر اندیش را

ترجمہ: باطن میں حق تعالیٰ سے قربت کا راستہ پیدا کرلو۔ اس ادراک کو جس سے غیر کا تصور ہوتا ہے، دور کردو۔ غیر اللہ دل سے نکلتا ہے تو دل مجلّا ہو جاتا ہے۔

کیمیا داری دوائے پوست کن
دشمناں را زیں صناعت دوست کن

ترجمہ: تیرے پاس کیمیا ہے۔ وہ کیمیا کیا ہے؟ عشق الٰہی کی نعمت ہے جو تیرے نفس کی دوا ہے۔ اس کیمیا کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے دشمن بھی دوست بن جاتا ہے۔

روایت ہے کہ مولانا رومؒ ایک دن صلاح الدین زرکوب کی دکان کے پاس سے گزرے۔ وہ چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے۔ ہتھوڑے سے کچھ اس انداز سے آواز پیدا ہوئی کہ ہر ضرب قلب پر محسوس کی۔ مولانا رومؒ سراپا عشق اور سوختہ جان تھے، انہوں نے صلاح الدین زرکوب کو سینہ سے لگایا۔ مولانا رومیؒ کے فیض سے عشق کی تپش دل پر محسوس ہوئی تو دکان چھوڑ دی اور ان کے ہم راہ ہو لئے۔ نو سال تک خدمت میں رہے۔ ان کی وفات کے بعد ایک اور مرید حسام الدین چلپی کو سب سے زیادہ مرشد کی قربت ملی۔ حسام الدین کے مشورہ پر انہوں نے مثنوی لکھی۔

ایک بار مثنوی بیان کر رہے تھے کہ خاموش ہو گئے۔ فرمایا، اس وقت غیب سے مضامین کی آمد نہیں ہو رہی اس لئے ان میں کیف نہیں لہٰذا خاموش ہونا بہتر ہے۔

مثنوی کی تحریر کے بارے میں فرماتے ہیں،

قافیہ اندیشم و دل دار من
گویدم مندیش جز دیدار من

ترجمہ: جب میں قافیہ سوچنے لگتا ہوں تو محبوب مجھ سے کہتا ہے کہ قافیہ مت سوچ، صرف میرے دیدار میں مشغول رہ یعنی میری طرف متوجہ رہو، قوافی ہم الہام فرمائیں گے۔

محمد سعید انور

راب

برطانیہ میں ایک خاتون جوڑوں کے مرض میں مبتلا ہوئی یہاں تک کہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی اور نوکری چھوڑنا پڑی۔ اس نے مروجہ علاج میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور طویل عرصہ تک دوائیں استعمال کیں لیکن خاطر خواہ نتائج حاصل نہیں ہوئے۔ مایوس ہوکر قدرتی علاج کی طرف رجوع کیا۔

اس خاتون نے عرق ریزی کے بعد قدرتی علاج اور غذاؤں سے ایسا نسخہ ترتیب دیا جس سے بہت جلد شفا نصیب ہوگئی۔ ملازمت دوبارہ شروع کی، ایک کلینک بنا کر لوگوں کا علاج کیا اور کامیابی حاصل کی۔

اس نے اپنی بیماری، معذوری، صحت یابی کے لئے جدوجہد، اس میں کامیابی اور دیگر لوگوں کے تجربات کو قلم بند کر کے کتاب کی صورت میں شائع کیا۔

خاتون کا نام مارگریٹ ہلز (Margarete Hills) ہے۔ 2003ء میں اس کا انتقال ہوا۔ مارگریٹ کی کامیابی میں جس دوا یا غذا نے بنیادی کردار ادا کیا وہ راب (molasses) ہے۔

راب کیا ہے اور کیسے تیار ہوتا ہے ــــ؟

بیلنے کے ذریعے گنے کا رس نکال کر بڑی کڑاہی میں پکایا جاتا ہے۔ رس پک کر گاڑھا ہو جائے تو اس محلول کو راب کہتے ہیں۔ اسی راب سے گڑ تیار ہوتا ہے۔

قدرت نے راب میں مریضوں اور صحت مند افراد کے لئے معجزہ نما اثرات رکھے ہیں۔ راب کے بنیادی عناصر میں شکر، پروٹین، راکھ، کیلشیم، فاسفورس، پوٹاشیم، سوڈیم، کلورین اور سلفر شامل ہیں۔ دھاتی عناصر میں تانبا، لوہا، مینگنیز اور جست شامل ہیں جب کہ حیاتین (وٹامنز) میں بائیوٹین، کولین، پینٹوتھینک ایسڈ، ریبوفلووین اور تھائیمن شامل ہیں۔

یورپی اور امریکی محققین کا کہنا ہے کہ راب میں ایسے اجزا ہیں جو جسم کو ضرورت کے مطابق مطلوبہ عناصر اور مرکبات غذا کی شکل میں مہیا کرتے ہیں۔ نتیجہ میں زہریلے وائرس یا مرض پھیلانے والا مواد خلیات میں نہیں پھیلتا۔ راب مختلف قسم کے ابھار، اعصابی تکان، عام کمر درد، جوڑوں کا درد، ایگزیما، پھوڑے، پھنسیوں، چنبل (داد کی قسم کی ایک بیماری) اور خون کی قلت کے خلاف مؤثر قوت مدافعت پیدا کرتا ہے اور علاج میں معاون ہے۔

متبادل طریقہ علاج سے متعلق پاکستانی معالجین نے

یورپی اور امریکی تحقیق کے حوالہ سے تجویز دی ہے کہ راب کو نسخوں میں شامل کریں۔

جن امراض میں یہ معاون ثابت ہوا ان میں ٹیومر، رحم کے گومڑ، زبان کے گومڑ، کینسر کی ابتدائی حالت، پھولی ہوئی وریدیں، جوڑوں کا درد، مختلف قسم کے ورم، سوزش جلد، ایگزیما اور کھجلی، بلند فشار خون (ہائی بلڈ پریشر)، درد دل اور کم زوری قلب، قبض، ورم قولون، فالج اور اچانک غیر متوقع نوعیت کے جذباتی صدمات، پائیوریا، قلت خون، مثانہ کی بیماریاں اور پیشاب کی تکالیف، پتے میں پتھریاں، اعصابی امراض، کم زور ناخن، کم زور بال، زخموں کے مندمل ہونے، عمومی صحت کو بہتر بنانے اور بیماریوں کے بعد کم زور جسم کو صحت مند بنانے سے متعلق امراض شامل تھے۔

راب میں قدرت نے صحت وشفا کی کیسی خصوصیات رکھی ہیں۔ضرورت تحقیق وتلاش کی ہے کیوں کہ آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

استعمال کا طریقہ: راب کو کھانے سے پہلے، کھانے کے دوران یا کھانے کے بعد بطور غذا یا دوا استعمال کیا جاسکتا ہے۔ایک وقت میں ایک چمچہ راب گرم پانی کی آدھی پیالی میں ملا کر اس میں تھوڑا اور پانی ملا لیا جائے جس سے وہ دوتہائی پیالی کے برابر مشروب ہو جائے۔ بچوں کے لئے ایک وقت کی خوراک آدھا چمچہ ہے۔

راب پانی ملائے بغیر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے لیکن اس کے بعد نیم گرم پانی ضرور استعمال کریں۔جن افراد کے معدے کم زور ہوں اور جو ایک وقت میں ایک چمچہ راب استعمال کرنا مشکل سمجھتے ہوں، انہیں کم مقدار لیکن دن میں متعدد مرتبہ راب استعمال کرنا چاہئے۔

راب سے تیار کیا گیا مشروب ایک سانس میں حلق سے نہیں اتارنا چاہئے بلکہ گھونٹ گھونٹ پیا جائے۔ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بچے اور بالغ افراد صبح کے ناشتہ کے ساتھ دلیہ یا دوسری اشیا میں راب ملا کر کھائیں۔

راب کو پھوڑوں، پھنسیوں، ابھاروں اور زخموں وغیرہ پر بیرونی طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس کے لئے راب کو پلٹس (لیپ) کے طور پر استعمال کریں۔ان مسائل کے لئے یہ قدرتی مرہم ہے۔

وہ افراد جن کا وزن زیادہ ہے، وہ راب کے استعمال کے بعد وزن میں اضافہ کی شکایت کر سکتے ہیں۔اس صورت میں اس کی مقدار کم کر دینی چاہئے۔علاوہ ازیں ایسی صورت میں راب میں پانی کی آمیزش زیادہ کر کے محلول کو نسبتاً زیادہ پتلا کر دینا چاہئے۔

ضروری احتیاط:

وہ امراض جن میں شکر زیادہ یا کم مقدار میں استعمال کرنے سے مرض میں اضافہ ہوسکتا ہے ان میں راب معالج کے مشورہ سے استعمال کریں۔ذیابیطس میں مبتلا افراد راب کے استعمال سے گریز کریں۔

محمد الدین فوق

شہنشاہ ظرافت ـــ ملّا دوپیازہ

لطافت وظرافت کے شہنشاہ، والی ملک زندہ دلی وخوش طبعی، بذلہ سنجی وحاضر جوابی، سریر آرائے سلطنت شوخی و دل لگی ـــ ابوالحسن ملا دوپیازہ کا نام تعارف کا محتاج نہیں۔ قارئین کی خوش طبعی کے لئے ابوالحسن دوپیازہ کی سوانح عمری پیش خدمت ہے جو مؤلف ''محمد الدین فوق'' نے 1911ء میں ترتیب دے کر شائع کی۔

ایک دن شہنشاہ ظرافت متفکر وملول ہوکر منہ نیچا کئے چپ چاپ آرہے تھے۔ راستہ میں راجا بیربل مل گئے۔ پوچھا، کس کی تلاش ہے۔

جواب میں فرماتے ہیں، بھائی صاحب بچپن سے میرا باپ گم ہوگیا ہے اس کو تلاش کررہا ہوں۔

راجا نے کہا، اگر میں بتادوں تو کیا دوگے ـــ؟

جواباً کہا، اگر مل جائے تو سارا آپ کا۔

بادشاہ نے بیربل کے مشورہ سے پانی سے بھرے ہوئے تالاب کی تہ میں خاص مقامات پر چند خادموں کی تعداد کے برابر انڈے رکھوادیئے۔ پھر دوپیازہ کو بلوایا۔ اور خادموں کو حکم دیا کہ تالاب میں انڈے ہیں، نکال لو۔

چناں چہ ہر آدمی ایک ایک انڈا نکال لایا۔

جب سب انڈے نکل چکے، بادشاہ نے دوپیازہ سے کہا تم بھی انڈا نکال لاؤ۔ وہ تالاب میں کودے، بہتیرا جتن کیا مگر کوئی انڈا ہاتھ نہ آیا۔ آخر کار تالاب سے نکل بال جھاڑ کر زور سے کہا، ککڑوں کوں۔

بادشاہ نے کہا، یہ کیا کرتے ہو۔

دوپیازہ نے جواب دیا، نہ ملّا مرغ ہوتا نہ بیربل سی مرغی انڈے دیتی۔ یہ سن کر راجا بیربل جی تو شرمندہ ہوئے مگر بادشاہ قہقہہ لگائے بغیر نہ رہ سکے۔

دربار کے دانش وروں نے ایک دفعہ بادشاہ کی خدمت میں شکایت کی کہ ابوالحسن محض جاہل ہے اس کی اتنی عزت مناسب نہیں۔ بادشاہ کو دلیلیں دی گئیں۔

اکبر نے کہا، کل سر دربار ابوالحسن کی علمیت کا امتحان لیا جائے گا۔ اگر جاہل ہے تو امتحان میں ناکام ہوکر خود بخود رسوا ہوجائے گا۔

دوسرے دن سارے دانش ور حاضر تھے۔ دوپیازہ کو بھی بلایا گیا اور امتحان کی خبر دی گئی۔

ابوالحسن المعروف ملّا دو پیازہ نے کہا، جہاں پناہ اجازت ہوتو پہلے میں تمام دانش وروں سے ایک لغت کے معنی دریافت کرلوں—؟

اکبر بولا— کیا مضائقہ!

دو پیازہ نے دانش وروں سے کہا، اس کے معنی فرمایئے، ''تن تسر بھد میں'' پہلے آپ معنی بتائیں پھر جو جی میں آئے مجھ سے دریافت کریں۔

سب نے لغت سن کر اپنے اپنے علم کی کشتی دوڑائی مگر معنی کی لڑی ہاتھ میں نہ آئی۔ احساس ہوا کہ جوگڑھا دو پیازہ کے لئے کھودا ہے کہیں خود ہی اس میں نہ گر جائیں۔ ناچار ایک دن کی مہلت مانگی۔ گھر جا کے کتابیں الٹ ڈالیں مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔

دوسرے دن سب نے متفق اللفظ ہوکر دو پیازہ سے کہا، ہم نے خوب عقل کے گھوڑے دوڑائے مگر اس لغت کے کوئی معنی ہاتھ نہ آئے۔ ہمارا قصور معاف کیجئے اور بتایئے اس کے کیا معنی ہیں۔

دو پیازہ جی نے کہا، سب ایک کاغذ پر اس امر کا اقرار لکھ لیجئے کہ یہ لغت ہم سے حل نہ ہوسکی۔

انہوں نے ملّا جی کے ارشاد کی تعمیل کی۔

پھر کیا تھا ابوالحسن صاحب اس محضر (اقرار نامہ) کو لے کر سب سے پہلے حاضر دربار ہوئے۔ دانش ور بھی آگئے تو حضور شاہی میں اقرار نامہ پیش کیا اور کہا کہ جب ان لوگوں کو ایک معمولی لغت کے معنی نہیں آئے تو یہ میرا امتحان کیا لیں گے!

اوخویشتن گم است، کرا رہبری کند

ترجمہ: جوخود گم راہ ہے، وہ کیا راہ نمائی کرے گا۔

بادشاہ نے التماس قبول کر کے دانش وروں کو رخصت کیا اور ملّا دو پیازہ سے تخلیہ میں پوچھا کہ اس لغت سے واقف کردیجئے۔

انہوں نے باادب کہا، عالی جاہ جب میں ایران سے آرہا تھا، اثنائے راہ میں ایک سرائے میں اترا، وہاں گول گھیے کی بیل کے نیچے بکری بندھی تھی، اتفاقاً ایک گھیا تن کر کے ٹوٹا اور سوکھے پتوں میں سے تسر کرتا ہوا بکری کی پیٹھ پر پہنچا۔ جہاں ہوئی بھد۔

اس پر بکری بولی— میں۔ سو میں نے وہاں اس لغت کو یوں موزوں کیا کہ ''تن تسر بھد میں''۔

بادشاہ جلال الدین اکبر بہت محظوظ ہوا اور اپنے اس رتن کو انعام سے مسرور کیا۔

کہتے ہیں کہ ایک عالم فاضل شخص ایران سے دہلی آیا اور دو پیازہ کی شہرت سن کر مباحثہ کے لئے تیار ہوگیا۔ دو پیازہ نے سنا تو کپڑے چندتھان منگا کر پہلے تو بڑا سا پگڑ باندھا اور اتنا بڑا شملہ رکھا کہ کئی ایک خدمت گار سنبھالے ہوئے تھے۔ باقی کے غلاف بنوا کر ان میں اینٹیں رکھ لیں اور غلافوں پر کسی کا نام اٹ البحر، کسی کا بھینسۃ الرکاب وغیرہ لکھوا کر گدھوں پر لدوالیے۔

جب وہ صاحب منزل پر پہنچے تو ابوالحسن کی شان و شوکت دیکھ کر چکرائے مگر دل کڑا کر کے پوچھا، جناب

این چہ کاراست کہ کردی ـــ؟

بولے، آپ نے نہیں سنا، شملہ بمقدار علم می شود۔

اس کے بعد ایرانی دانش ور نے انگلی اٹھائی،

دو پیازہ نے دو اٹھائیں۔

انہوں نے تین انگلیاں دکھا دیں۔

دو پیازہ نے چار دکھا دیں۔

ان صاحب نے پانچ انگلیاں اکٹھی اٹھا کر دکھائیں۔

دو پیازہ نے مٹھی بنا کر سامنے کر دی۔

ان صاحب نے جیب سے انڈا نکال کر دکھایا۔

دو پیازہ صاحب نے پیاز آگے بڑھائی۔

اس پر دانش ور نے کہا، کسی مستند کتاب کا حوالہ دو۔

کتاب ''اٹ البحر'' صفحہ نمبر 416۔

کہا، ہم نے تو کبھی اس کتاب کا نام نہیں سنا۔

دو پیازہ نے جواب دیا، آپ کی علمیت کا کمال معلوم ہو گیا۔ آپ نے تو نام نہیں سنا جب کہ ہمارے پانچوں گدھوں پر یہ کتاب لدی ہوئی ہے۔ اگر ارشاد ہو تو ملاحظہ کرا دوں ـــ؟

ایرانی دانش وران کا کتب خانہ دیکھ کر حیران رہ گئے اور جرأت نہ ہوئی کہ کہیں اچھا دکھاؤ۔ دو پیازہ کی خوش قسمتی سمجھئے ورنہ کتب خانہ کی اینٹوں کا پردہ کھل جاتا۔

غرض ایرانی دانش ور یہ کہہ کر کہ واقعی جیسا سنا تھا ویسا پایا، عذر و معذرت کر کے وطن لوٹ گئے۔

اہل مجلس کو اس سبائی گفتگو کا مطلب خاک سمجھ میں نہ آیا۔ ایران تک بھی مباحثہ کی دھوم مچی۔

اکبر نے ابوالحسن دو پیازہ کو بلوا کر مباحثہ کی کیفیت دریافت کی۔ جواب ملاحظہ فرمائیے۔

سب سے پہلے ابوالحسن نے کتب خانہ کی حقیقت بیان کی۔ اس کے بعد کہا، جب اس نے مجھے ایک انگلی دکھائی تو میں سمجھا کہ وہ کہتا ہے کہ میں اس انگلی سے تیری آنکھ پھوڑ دوں گا۔ اس لئے میں نے دو انگلیاں دکھا کر سمجھایا کہ تو میری آنکھ پھوڑے گا، میں تیری دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالوں گا۔ اس نے تین انگلیاں دکھا کر سمجھایا کہ تجھے مار ڈالوں گا۔ میں نے چار انگلیاں دکھا کر کہہ دیا کہ میں تجھے پہلے ہی چاروں شانے چت کر دوں گا۔ اس کے بعد اس نے پانچوں انگلیوں سے تھپڑ بنا کر دکھایا تو میں نے گھونسا بنا کر آگے کر دیا۔ جب اس نے انڈا سامنے رکھا تو میں نے اس کا لوازمہ بڑھا کر بتا دیا کہ پیاز کے ساتھ ملا کر بھون کر کھاؤں گا۔ تفصیل سن کر ہنستے ہنستے اکبر کے پیٹ میں بل پڑ گئے۔

محترم قارئین! اب ایرانی دانش ور کی طبعِ رسا کے خیالات سے بھی آگاہی حاصل کریں۔ جب وہ ایران میں پہنچا اور کج کلاہ نے دربار میں بلا کر مباحثہ کی کیفیت پوچھی تو اس نے کتب خانہ کی تعریف کر کے کہا،

جناب والا! میں نے اسے ایک انگلی دکھا کر کہا کہ اللہ ایک ہے۔ اس نے دو انگلیاں دکھا کر کہا، اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ میں نے تین انگلیاں بڑھا کر اصحاب ثلاثہ کی طرف اشارہ کیا تو اس نے چار دکھا کر سمجھایا کہ

نہیں وہ تو چار ہیں۔ پھر میں نے پانچوں انگلیوں سے پنجتن کا خیال دلایا، تو اس نے مٹھی بند کر کے بتایا کہ اللہ سب پر غالب ہے۔ میں نے انڈا آگے رکھ کر زمین کے گول ہونے کی طرف توجہ دلائی تو اس نے پیاز دکھا کر مجھے متنبہ کیا کہ زمین و آسمان کے طبقے پیاز کے چھلکوں کی طرح پرت در پرت ہیں۔

اکبر بادشاہ نے محل کی کھڑکی سے دیکھا کہ ایک نوجوان نے بے قابو ہاتھی کی دم پکڑی ہوئی ہے اور بھاگنے سے روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔

ابوالحسن دوپیازہ قریب موجود تھے۔ اکبر نے انہیں بھی شہ زوری کا تماشا دکھایا اور پوچھا، سوچو اس نوجوان میں اتنا زور کہاں سے آ گیا—؟

دوپیازہ نے عرض کیا، جہاں پناہ! یہ بے فکری کا زور ہے۔ اکبر کو تعجب ہوا کہ بے فکری سے اتنی قوت—؟

دوپیازہ نے فوراً نوجوان کو بلوایا اور کہا کہ بادشاہ سلامت تمہاری شہ زوری دیکھ کر خوش ہوئے۔ اب روزانہ تمہیں ایک روپیہ تنخواہ ملے گی۔ کام صرف یہ ہے کہ شہر کے باہر فلاں خانقاہ پر ٹھیک شام کے وقت چراغ جلا کر آیا کرو لیکن یاد رہے کہ ایک دن بھی مذکورہ وقت میں تاخیر ہوئی تو پھانسی دے دی جائے گی۔

نوجوان آداب بجالایا اور ہدایت کے مطابق ہر روز خانقاہ پر چراغ جلانے لگا۔ چند روز بعد محل کے باغ میں بیل چھوٹ گیا۔ نوجوان نے اس کی دم پکڑنا چاہی تو بیل اسے گھسیٹتا ہوا ساتھ لے گیا۔ اکبر نے یہ منظر دیکھا تو کہا— واقعی فکرمندی بڑی بری چیز ہے!

ملّا دوپیازہ ایک دن پل پر کھڑے دریا کی سیر میں مصروف تھے کہ پاس سے ایک میانا* گزرا جس میں کوئی رقاصہ بیٹھی تھی اور مقابہ * سامنے رکھا تھا۔ اتفاقاً وہ ان کے پاس گر پڑا۔ یہ قہقہہ مار کر ہنسے اور اپنے دوست سے جو ان کے پہلو میں کھڑا تھا، کہنے لگے، دیکھو میانے سے انڈا گرا۔

یہ سن کر رقاصہ نے کہا، ہاں صاحب، آپ کا فرمانا بجا ہے، مگر زمانہ کا انقلاب بھی دیکھو کہ انڈا گرتے ہی بچہ نکل کر آواز بھی دینے لگ گیا۔ دوپیازہ صاحب خفیف اور شرمندہ ہو کر رہ گئے۔

ایک روز نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک عورت سامنے سے ہو کر گزری۔ نماز کے بعد بڑی خفگی کے ساتھ اس عورت کو کہا، تمہیں دکھائی نہیں دیتا میں نماز پڑھ رہا تھا کیوں میرے سامنے سے ہو کر نکلی؟

اس نے جواب دیا، میں نہیں جانتی تم کس کی نماز پڑھ رہے تھے۔ میں تو اس وقت اپنے عاشق کی یاد میں ایسی اندھی ہو رہی تھی کہ کچھ دکھائی نہیں دیا۔ تم تو اللہ کی عبادت میں مصروف تھے، مجھے کیوں کر دیکھ لیا۔ کیا نماز

میانا (پالکی) مقابہ (سنگاردان)

میں غیر محرم عورتوں کو تاڑا کرتے ہو۔

یہ سن کر دوپیازہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

کوئی سوداگر اکبر کے پاس چند عمدہ گھوڑے لایا۔ بادشاہ نے گھوڑوں کو پسند کیا اور حکم دیا کہ اسی قسم کے گھوڑے اور لاؤ، اور اس واسطے ایک لاکھ روپیہ پیشگی دلوایا۔ تھوڑے عرصہ بعد بادشاہ نے دوپیازہ کو حکم دیا کہ مملکت میں بے وقوفوں کی فہرست تیار کرو۔ اس نے چند ایک نام لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کئے مگر ان سب میں بادشاہ کا نام پہلے نمبر پر لکھا۔

بادشاہ نے تعجب سے دیکھا اور وجہ دریافت کی۔ دوپیازہ صاحب فرمانے لگے کہ آپ نے بے سوچے سمجھے ایک لاکھ روپیہ سوداگر کو دلوا دیا اور وہ اب شکل بھی نہیں دکھلائے گا۔

اکبر نے کہا، اگر وہ لے آئے تو؟

اگر لے آیا تو آپ کا نام کاٹ کر اس کا لکھ دوں گا۔

اکبر جواب سن کر لاجواب ہو گیا۔

اکبر بادشاہ نے ملّا دوپیازہ سے دریافت کیا کہ وہ کون سا کام ہے کہ نیکی کے عوض بدی حاصل ہو۔ ملّا دوپیازہ نے عرض کیا، میں بخوبی جانتا ہوں مگر بسبب بھوک کے بیان نہیں کر سکتا، طاقت گفتار نہیں۔

بادشاہ نے باورچی کو حکم دیا کہ ملّا دوپیازہ کو نفیس کھانا دیا جائے۔ کھانا چنا گیا۔ دوپیازہ صاحب کی صلاح تھی کہ باہر جا کر کھاؤں مگر بادشاہ کے حکم سے مجبوراً وہیں کھانا پڑا۔ کھانے کے بعد بادشاہ نے سوال دہرایا۔

ملّا دوپیازہ بولا، آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔

بادشاہ حیران ہوا، ہم نہیں سمجھے تم نے کیا کہا ہے۔

عرض کیا کہ آپ نے اس جگہ کھانے کو کہا تو باعث شرم کھانا نہیں کھایا بلکہ خون جگر پیا ہے۔ بادشاہ ہنس پڑا۔

اہل دربار نے ابوالحسن کو خفیف کرنے اور بادشاہ کی نظروں سے گرا دینے کے لئے یہ تجویز کی کہ ہر ایک درباری اپنی اپنی تصنیف پیش کرے۔ دوپیازہ کو اس وقت خبر کی جب تصانیف پیش کرنے میں ایک دن باقی تھا۔ وہ بہت گھبرائے کہ اب بھانڈا پھوٹنے والا ہے مگر تھے گرگِ باراں دیدہ (تجربہ کار)۔ بیٹھے، اور اس وقت اٹھے جب ''جنگ مہملات المعروف بہ النامہ'' تیار کر لیا۔ دربار میں آئے اور اس شان سے آئے کہ گویا دستار فضیلت انہی کے سر رہے گی۔ اور واقعی بات بھی ایسی ہوئی۔ النامہ جو حکمت و نصیحت کا مخزن اور گنجینہ ہے، قارئین کی تفریح طبع کے لئے مختصراً پیش ہے۔

★ البادشاہ: کاہل زبان

★ الوزیر: ہدف تیر آہ بیچارگان

★ الواقع نویس: گربہ منتظر سوراخ موش

★ الچوکی نویس: گلہ گوئے مردم

★ الخوشامدگو: تازہ روزگار

★ الوکیل: مجتہد دروغ

★ الکوتوال: نمونہ ملک الموت

★ البیوتوف: علم دار بادیانت

★ الطبیب: پیکِ اجل

★ الخانہ خراب: زن خوش طبع درخانہ

★ القاضی: مغز درگل

★ البہشت: آں جا کہ مگس وملانباشد

★ الآئینہ: ریش خندروبرو

★ البنگ: اگر بادشاہ خورد مفرح یاقوت است، واگر قاضی خورد فلاسفہ است، واگر مفتی خورد مقوی دماغ است، واگر ملا خورد بنگ است۔

★ المکتوب: نصف الملاقات

اس طرح درجنوں الفاظ سے کتاب بھری ہوئی تھی اور یوں اپنی ظرافت کے سبب بازی لے گئے۔

شہنشاہ اکبر کے ہم رکاب ملّا دوپیازہ احمد آباد گجرات پہنچے۔ قصبہ ہانڈی میں طبیعت ناساز ہوگئی اور کہہ دیا کہ اب ہم یہیں مریں گے کیوں کہ ہم دوپیازہ ہیں اور اس گاؤں کا نام ہانڈی ہے۔ دوپیازہ بیمار ہے، ہانڈی سے باہر کہاں جائے گا—؟ نقاہت وضعف بڑھتا گیا۔

عمر 60 سال کے قریب تھی۔ اس پر بیماری، بالکل نحیف ہوکر رہ گئے۔ اور پھر ایک ہفتہ کے اندر خوش طبعی و لطیفہ گوئی کا ملک ویران ہوگیا۔ زندہ دلی کے چمنستان پر خزاں نے دخل کرلیا— ابوالحسن المعروف ملّا دوپیازہ عالم جاودانی کو چل دیئے۔

ابوالحسن دوپیازہ جہاں جاتے تھے، شہرت و نام وری قدم چومتی تھی۔ کہتے ہیں کہ لوگ موت کی خبر سن کر دوڑے آئے تو دیکھا کہ دوپیازہ ٹانگیں پھیلائے بیٹھے ہیں۔ ایک شخص نے ٹانگ اٹھائی، سر نیچا ہوگیا اور ٹانگیں بلند ہوگئیں، پھر نیچا کیا تو عجیب مضحکہ خیز شکل بن گئی۔

قدردان بادشاہ بھی موت کی خبر سن کر پہنچا، حکم دیا کہ ان کو سیدھا کیا جائے۔ سیدھا کیا گیا تو ٹانگیں نیچے ہوگئیں، ٹانگیں اٹھائیں تو سر نیچا ہوگیا۔

اتنے میں بیربل نے ٹانگ پر لات ماری، حضرت سلامت فوراً بادشاہ کی تعظیم کو سروقد کھڑے ہوگئے۔

بادشاہ ہنس دیا اور کہا، واہ! دوپیازہ مرتے مرتے بھی ہنسا گیا۔ اکبر نے شان وشوکت سے 1600 عیسوی میں بمقام ہانڈی (دکن) تدفین کروائی۔

(آخری قسط)

جذبِ محبت

رات کا وقت تھا۔ شاعر منور لکھنوی چراغ کی روشنی میں کچھ لکھ رہے تھے۔ لکھنے میں محو تھے کہ اس دوران ایک پروانہ عالم وارفتگی میں شعلہ کی لو سے آٹکرایا۔ شعلہ سے پروانہ فنا ہوا، ساتھ ہی چراغ بھی بجھ گیا۔ پہلے تو تاریکی میں کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے کہ یکا یک آمد ہوئی اور یہ شعر لبوں پر آ گیا،

الٰہی آگ ہی لگ جائے اس جذبِ محبت کو
جلے کوئی، مرے کوئی، اندھیرا میری محفل میں!

نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری

چاند کی ضوفشانی نے اشیا کو سحر انگیز بنا دیا ہے۔ وہ ایک کمرے میں ہے اور اڑ رہا ہے، سامنے موم کا مینار ہے۔ پھر جو منظر اس نے دیکھا، وہ ذہن کے خلیات کھول دینے والا تھا۔

کسی نوع کے ذہین افراد نیم تاریک گوشہ میں بیٹھے تھے۔ یہ جگہ بلندی پر تھی جہاں لوگوں کی آمد و رفت کم تھی۔ جگہ کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ شور شرابا غور و فکر میں مخل نہ ہو۔

پہلا ذہین فرد بولا، ''ہم کسی سے کم نہیں۔ ہمارے اندر سوچنے، سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہے اور منصوبہ بندی اور انتظامی امور کی اہلیت بھی ہے۔''

مجلس میں موجود دوسرا ذہین فرد بولا، ''یہی تو میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں کم زور، کم عقل اور پست تصور کیا جاتا ہے جب کہ ہم جسے چاہیں تباہ و برباد کر دیں۔ ہمارے وار سے لوگ شاذ و نادر بچتے ہیں۔ خطرناک جراثیم پھیلانے میں ہمارا ثانی نہیں۔ اپنی کرنے پر آجائیں تو بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتے ہیں۔''

تیسرے فرد نے بات آگے بڑھائی، ''ہم اپنے منہ میاں مٹھو بننے کے لئے جمع نہیں ہوئے۔ اصل مسئلہ پر بات کی جائے۔ سب نے تائید کی کہ نشست کا مقصد بیان کیا جائے۔ تیسرا فرد بولا، باصلاحیت اور باشعور ہونے کے باوجود تعریف کے بجائے ہم جہاں جاتے ہیں، بھگا دیا جاتا ہے۔ سب خاموش ہو گئے۔

کسی نے کہا، کھل کر مسئلہ کا اظہار کریں۔

کوئی بولا، ہمیں بے عزت کیا جاتا ہے اور ہم سے انتہائی کم تر مخلوق ''پروانہ'' کی خوب حوصلہ افزائی ہے۔ شاعر اسے سخن میں جگہ دیتے ہیں، تعریفوں کے پل باندھے جاتے ہیں۔ مجلس میں موجود افراد جل بھن کر کباب ہو گئے اور حسد کے لاوے میں ابلنے لگے۔

ان میں سے ایک بولا، خود پر لگا ہوا بدنامی کا داغ کیسے دھوئیں اور پروانوں کو کس طرح نیچا دکھائیں؟

سب ایک بار پھر سوچ میں گم ہو گئے۔ پھر کسی ہوشیار نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ ہم ان کی نسل ختم کر دیں۔

کسی نے لقمہ دیا، ہم پہلے بھی مختلف نسلیں ختم کرنے کی کوشش کر چکے ہیں لیکن کام یابی نہیں ہوئی۔ ہونا یہ چاہئے ان کو اپنے جیسا بنا لیں، نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔ سب نے اتفاق کیا۔

یہ مکھیوں کی نوع کے ذہین افراد تھے۔ فیصلہ کے بعد

سب ٹھکانوں کی طرف اڑ گئے۔

منصوبہ کے مطابق فوجی دستے تیار کئے اور مقررہ تاریخ پر پروانوں کی آبادی پر حملہ کر دیا۔ پروانے لڑائی جھگڑے سے ناواقف تھے، شدید حملہ سے سنبھل نہ پائے۔ مکھیوں کے جنگ جو افراد کے زہریلے ڈنک کو برداشت نہ کر سکے اور ایک کے بعد ایک ختم ہو گئے۔

صرف ایک ننھا منا پروانہ بچا جس نے ابھی آنکھ بھی نہیں کھولی تھی اور ماں کی گود سے لپٹا ہوا تھا۔ مکھیاں ننھے منے پروانہ کو ساتھ لے آئیں تا کہ تربیت اس نہج پر کی جائے کہ اس میں مکھیوں کے اوصاف پیدا ہوں۔

ننھے پروانہ کو تربیت کے لئے عمر رسیدہ خالہ مکھی کو سونپ دیا گیا۔ ابتدائی دنوں میں جب خالہ مکھی نے پروانہ کو اپنی غذا یعنی گندگی کھلانے کی کوشش کی تو طبیعت نے گوارا نہیں کیا، اور وہ بیمار ہو گیا۔ آبادی کے لوگوں نے خالہ مکھی کو تنبیہ کی کہ اسے مارنا نہیں بلکہ اس کی برین واشنگ کرنی ہے تا کہ نظریات بدل جائیں۔ پروانہ کی بار بار طبیعت خراب ہونے پر خالہ مکھی نے معالج سے رجوع کیا تو اس نے کہا کہ اسے کچھ عرصہ کے لئے ہماری غذا نہ دی جائے ورنہ پروانہ کی نسل کا آخری فرد چل بسے گا اور مکھیوں کے ارمان آنسوؤں میں بہہ جائیں گے۔

پروانہ نے ہوش سنبھالا تو خالہ مکھی نے سبق پڑھانا شروع کیا — دنیا میں کچھ چیزیں بہت اہم ہیں، اگر وہ نہ ہوں تو ذائقہ ختم ہو جائے گا جو اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ مٹھاس، خمیر اور تعفن ہر چیز میں ہے۔ تعفن سے ماحول بنتا ہے۔ مٹھاس سے ذائقہ پیدا ہوتا ہے اور خمیر ہماری بنیاد ہے۔ جس چیز میں خمیر ہو وہاں کچھ وقت کے بعد ہماری پیدائش شروع ہو جاتی ہے۔

ننھے پروانہ نے پوچھا، پھر سڑی ہوئی اشیا اور تعفن سے میری طبیعت کیوں خراب ہوتی ہے۔

خالہ مکھی بولی، تیرے اندر خمیر کی مقدار الگ ہے اس وجہ سے تعفن کم ہے مگر خمیر تو موجود ہے نا! اچھی زندگی گزارنا چاہتا ہے تو خود غرض بننا پڑے گا۔ صرف اپنے متعلق سوچا کر۔ آگے پیچھے مضبوط دیواریں بنا تا کہ حادثات اور ناگہانی آفات سے محفوظ رہے اور خوب گندگی کا ڈھیر جمع کر۔ پروانہ آنکھیں پھیلائے سن رہا تھا۔

میں کوئی نئی بات نہیں کر رہی۔ بھئی اپنے آپ کو سب سے زیادہ عقل مند سمجھنے والی مخلوق آدمی بھی یہی کرتی ہے۔ وہ لوگ قلعے بناتے ہیں، خود غرضی اور منافقت میں مقام پیدا کرتے ہیں اور دولت کا ڈھیر لگا کر خوش ہوتے ہیں۔ مکھیوں کا تو گندگی میں بہت تھوڑا حصہ ہے، بقیہ کارستانی انہی کی مرہون منت ہے۔

پروانہ نے پوچھا، لیکن خالہ! آدمی تو سڑی ہوئی چیزیں نہیں کھاتا —؟ ارے رہنے دے بیٹا، تجھے کیا معلوم۔ بدبو کو اس نے خوش بودار مسالوں سے چھپا لیا ہے۔ ایک بات ذہن میں بٹھا لے، تیرے موم کھانے کے دن گئے۔ میری خوراک تجھے بھی کھانا پڑے گی۔ اب مجھ میں اتنی ہمت نہیں کہ تیرے لئے موم لے کر

آؤں۔ننھا پروانہ خاموش ہوگیا۔خالہ نے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔

ایک روز مکھیوں کی آبادی پر زبردست دھوئیں کے بادل اُمڈ آئے۔ان میں تیز خوش بو تھی جس سے ہوا میں غنودگی کا اثر تھا۔مکھیوں کا ایک دستہ شور مچاتا ہوا گزرا، حملہ ہوگیا ہے،حملہ ہوگیا ہے، بھاگو، بھاگو۔مگر مکھیاں تیز خوش بو کی تاب نہ لاسکیں اور بے ہوش ہوگئیں۔یہ دیکھ کر حفاظت پر مامور چوکی دار مکھیاں بھاگ گئیں کیوں کہ ان کی دنیا غرض پر قائم تھی اور ہر فرد کو اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔رشتہ داری اور دوستیاں کسی کو یاد نہ رہیں۔خالہ مکھی پر بھی غشی طاری ہوئی اور وہ بے ہوشی میں نیچے گری۔اس صورت حال میں پروانہ نے ایثار اور وفاداری کا ثبوت دیا۔سب سے پہلے خالہ مکھی کو سہارا دے کر وہاں سے نکالا اور پھر دیگر افراد کی مدد کی۔پروانہ کی کوشش سے کئی مکھیوں کی زندگی بچ گئی اور سب نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

خالہ مکھی کا دل پسیج گیا اور سوچا کہ اگر پروانہ ہماری طرح خود غرض بن جاتا تو میں جان سے جاتی۔مگر تھوڑی دیر میں ایک بار پھر خود پسندی غالب آگئی۔

پروانہ نے خواب دیکھا— عالی شان فضا میں اڑ رہا ہے۔ہر طرف پھولوں کی خوش بو ہے۔رات کا وقت ہے،فضا چاندنی سے معمور ہے۔چاند کی ضوفشانی نے اشیا کو سحر انگیز بنا دیا ہے۔وہ ایک کمرے میں ہے اور اڑ رہا ہے، سامنے موم کا مینار ہے۔پھر جو منظر اس نے دیکھا، وہ ذہن کے خلیات کھول دینے والا تھا۔موم کے مینار پر شعلہ ہے جس میں ٹھنڈک ہے اور حدت بھی۔البتہ دل کو روشنی نرم اور ٹھنڈی معلوم ہوئی۔شعلہ سے قوس قزح کی طرح رنگ نکل رہے تھے اور ہر طرف پھیل رہے تھے۔نہ جانے کیوں پروانہ کو محسوس ہوا کہ شمع بلا رہی ہے اور وہ اس کی طرف کھنچا چلا جا رہا ہے۔محسوس ہوا کہ وہ شمع کو برسوں سے جانتا ہے اور شمع بھی اسے سالوں سے جانتی ہے جب کہ خواب چند لمحوں کا تھا۔

پروانہ کی آنکھ کھل گئی۔موم کے مینار پر شمع اتنی اچھی لگی کہ وہ بیدار ہونے کے بعد بھی تصور میں رہا۔

خالہ مکھی نے پوچھا،کیا آج اٹھو گے نہیں؟

پروانہ نے خواب سنایا— خواب سن کر خالہ مکھی کا دل دھک سے رہ گیا۔اس نے سوچا کہ میں نے اسے ہمیشہ شمع سے چھپایا،کبھی تذکرہ کیا نہ پروانہ کو شمع کے قریب سے گزرنے دیا۔آخر اس کے خواب میں شمع کیسے آگئی اور وہ پروانہ کو بلا رہی ہے۔

خالہ مکھی نے حواس بحال ہونے کے بعد ہوشیاری سے کہا،تو بھی کتنا احمق ہے،خوابوں خیالوں کی باتوں پر یقین رکھتا ہے۔یہ باتیں بھی کیا سچ ہوئی ہیں؟اصل دنیا یہ ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔شمع ہر وقت ہر لمحہ گھلتی رہتی ہے اور آخر میں ہاتھ کچھ نہیں آتا۔جس کا وجود فنا ہو، وہ کسی کو کیا بقا دے گا۔قریب بھی نہ

جانا، کہیں تمہاری جان نہ لے لے۔ شعلوں سے کھیلو گے تو جل جاؤ گے۔ کھاؤ پیو اور موج کرو۔

پروانہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ خواب سننے کے بعد خالہ مکھی کو غصہ کیوں آیا۔ وہ خاموش رہا کیوں کہ بحث کرنے کی عادت نہیں تھی۔

اب پروانہ جوان ہو گیا تھا۔ روز بہ روز دل میں شمع کی محبت گہری ہو رہی تھی۔ ایک بار پھر خواب دیکھا — وہی ماحول ہے، شمع کی روشنی سے اجالا ہو گیا ہے۔

شمع نے پروانہ سے پوچھا، خواب اور بیداری میں کیا فرق ہے؟ اس بات کی ضمانت کون دے گا کہ یہ خواب ہے یا وہ جسے تم بیداری سمجھتے ہو یا پھر ساری زندگی خواب ہے —؟ اور خواب کیا ہے، اس کے بارے میں سوچا ہے —؟ کیا وہ زندگی بہتر ہے جو منافقت میں گزرے یا لوگوں کے کام آنا اور روشنی پہنچانا بہتر ہے —؟ میں تمہیں فنا اور بقا کا فرق بتانا چاہتی ہوں۔ فنا سے ماوراء اور بقا سے روشناس کرانا چاہتی ہوں۔ اس مشقت سے گزارنا چاہتی ہوں جس سے گزر کر سونا کندن بنتا ہے۔

میرے قریب آؤ — قریب آؤ — قریب آؤ۔

پروانہ نے خواب مکھی کو سنایا۔ مکھی نے سوچا اس پر جتنی محنت کر لی جائے، بالآخر اسے اپنی اصل کی طرف لوٹنا ہے۔ ہم نے دور رکھنے کی کوشش کی تو شمع نے راہ نمائی کا ذریعہ خواب کو بنا لیا۔ فیصلہ کیا کہ پروانہ کو سچ بتا دیا جائے کہ اسے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔

کچھ دیر تک پروانہ سکتہ کی کیفیت میں رہا۔

ہوش میں آتے ہی راہ فرار اختیار کی۔ جاتے جاتے گھر کی دیوار پر لکھ دیا کہ وہ خود غرضی، خود پسندی اور کثافت کے ماحول سے بغاوت کر رہا ہے۔

بستی میں خبر پھیل گئی کہ پروانہ باغی ہو گیا ہے۔ حفاظت پر مامور دستہ حرکت میں آیا۔ سب سے پہلے خالہ مکھی کو علاقہ بدر کیا گیا پھر وہ پروانہ کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ پروانہ کی رفتار تیز تھی۔ مکھیوں کا دستہ پیچھے تھا۔ وہ پرواز کرتے ہوئے وسیع و عریض کمرے میں داخل ہوا جہاں شمع جل رہی تھی۔ مکھیوں نے جب شمع کو دیکھا تو سہم گئیں۔ پروانہ کی نظر شمع پر پڑتے ہی اس نے شمع کے گرد دیوانہ وار رقص شروع کر دیا۔

لَو سے بہنے والے موم میں فریاد تھی — اے میرے محبوب! مجھے تجھ سے محبت ہے۔ تیرے عشق میں پگھل رہی ہوں۔ جہاں اور جہاں تک دیکھتی ہوں تو نظر آتا ہے۔ ہر شے میں تیرا جلوہ ہے۔ تیرے عشق میں فنا ہونا، دراصل بقا ہے۔ شمع گڑگڑا رہی تھی جب کہ پروانہ درد بھری آواز سن کر اس کے گرد رقص کر رہا تھا۔ رگ رگ میں سوز کی لہر، سینہ میں گداز اور دل میں نرمی تھی۔

دور بیٹھی مکھیوں میں ایک نے آواز لگائی، اے پروانہ ذرا سنبھل کر، آگ میں مت کود جانا، تم اپنی نسل کے آخری فرد ہو۔

پروانہ شمع کی محبت میں مست تھا۔ دونوں کے وجود سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں مگر مکھیوں کو روشنی نظر نہیں آئی۔ پروانہ نے جست لگائی اور شمع کی لو سے مل گیا جیسے روشنی روشنی سے ملتی ہے، دریا سمندر میں اترتا ہے۔

مکھیوں کے گروہ نے کہا، بے وقوف پروانہ نے اپنی نسل ختم کر دی، کچھ تو خیال کیا ہوتا۔ پھر وہ اڑ گئیں۔

پروانہ مرا نہیں تھا، وہ مر کر بھی زندہ تھا۔ کثافت سے آزاد ہو کر روشنی کے قالب میں ڈھل گیا تھا۔

اس رات تیز بارش ہوئی۔ بارش کے بعد دیکھنے والوں نے دیکھا کہ روشنی سے سینکڑوں پروانے وجود میں آئے اور سب شمع پر نثار ہونا چاہتے تھے۔ وہ ہم آواز ہو کر کہہ رہے تھے کہ خوش نصیبی ہے کہ قدرت نے ہمیں پروانہ بنایا اور شمع کی قربت سے نوازا۔ پروانے یکے بعد دیگرے شمع کی لو سے مل رہے تھے۔

انہوں نے راز جان لیا تھا کہ محبت میں مر جانے کا مطلب مرنا نہیں، امر ہونا ہے۔

سرمدؔ غم عشق بو الہوس رانہ دہند
سوز دل پروانہ مگس رانہ دہند
عمرے باید کہ یار آید بہ کنار
ایں دولت سرمد ہمہ کس رانہ دہند

ترجمہ: اے سرمد! غم عشق بو الہوس کو نہیں ملتا، پروانہ کے دل کا سوز مکھی کو نہیں دیا جاتا۔ عمریں گزر جاتی ہیں پھر کہیں جا کر محبوب کا وصال نصیب ہوتا ہے ــــ یہ دولت ہر کسی کو نہیں ملتی!

پروانہ اور شمع

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پر نثار کیوں

سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے
آداب عشق تو نے سکھائے ہیں کیا اسے؟

کرتا ہے یہ طواف تیری جلوہ گاہ کا
پھونکا ہوا ہے کیا تیری برق نگاہ کا؟

آزار موت میں اسے آرام جاں ہے کیا؟
شعلہ میں تیرے زندگی جاوداں ہے کیا؟

غم خانۂ جہاں میں جو تیری ضیا نہ ہو
اس تفتہ دل کا نخل تمنا ہرا نہ ہو

گرنا تیرے حضور میں اس کی نماز ہے
ننھے سے دل میں لذت سوز و گداز ہے

کچھ اس میں جوش عاشق حسن قدیم ہے
چھوٹا سا طور تو یہ ذرا سا کلیم ہے

پروانہ اور ذوق تماشائے روشنی
کیڑا ذرا سا اور تمنائے روشنی

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع پیار کیوں
یہ جان بے قرار ہے تجھ پر نثار کیوں

سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے
آداب عشق تو نے سکھائے ہیں کیا اسے؟

(کلام: حضرت علامہ اقبالؒ)

ادارہ

اولی الالباب بچے

اللہ تعالیٰ چھپا ہوا خزانہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق مجھے پہچانے تو محبت سے مخلوق کو تخلیق کیا اور کائنات بنائی۔ کائنات اور جو کچھ اس میں ہے وہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے واقف ہونے کی نشانیاں ہیں۔ جو چھوٹے اور بڑے بچے غور و فکر کرتے ہیں وہ اولی الالباب (عقل و دانش والے) کہلاتے ہیں۔ بچو! ذہن پر زور دیں، سوچیں اور جو جواب ذہن میں آئے، ہمیں بھیج دیں۔ ہمارا پتہ ہے: بچوں کا قلندر شعور، عظیمی محلّہ، سرجانی ٹاؤن، کراچی۔

قلندر شعور کے پیارے بچو، السلام علیکم!

آپ جانتے ہیں کہ جب کڑی سے کڑی ملتی ہے تو زنجیر بنتی ہے۔ ہر کڑی دوسری کڑی سے ملی ہوئی ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود ساری کڑیاں الگ الگ ہیں۔ بچو کسی زنجیر کو غور سے دیکھئے اور اس میں کڑیاں گنیں۔ ساری الگ لیکن ملی ہوئی ہیں اسی لئے اسے زنجیر کہتے ہیں۔ زنجیر کی ایک کڑی ڈھیلی یا کم زور ہو جائے تو پوری زنجیر کم زور ہو جاتی ہے۔

کائنات بھی ایک زنجیر ہے۔ اس میں ہر کڑی ایک نوع ہے۔ نوع سے مراد مخلوق ہے۔ آسمان، زمین، ہوا، بارش، فرشتہ، جن، آدمی، پرندے، جانور، حشرات، پہاڑ، پھول، پودے الگ الگ نوعیں ہیں۔ ہر نوع کا دوسری نوع کے ساتھ رشتہ ہے۔ پودوں سے ہمیں اور جانوروں کو پھل، پھول اور اناج ملتا ہے۔ جب جانور اناج کھاتے ہیں تو ان سے حاصل ہونے والا دودھ اور گوشت ہم استعمال کرتے ہیں۔ جانوروں کا گوبر پودوں میں ڈالتے ہیں تو پودوں پر پھول اگتے ہیں اور پھول پھل بن جاتے ہیں۔ اس طرح کائنات میں ہر مخلوق (کڑی) دوسری مخلوق کے لئے سہارا ہے۔ کڑیاں مل کر ایک دوسرے کو مضبوط بناتی ہیں۔

غور کیجئے اور بتائیے کہ مخلوقات ایک دوسرے کے کس طرح کام آ رہی ہیں اور اللہ کے اس نظام سے ہم کیا سیکھتے ہیں—؟ جوابات تلاش کرنے میں اماں ابا اور ساتھیوں سے مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ تفکر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ اس ہی صفحہ پر موجود ہے۔ پتہ ڈھونڈ کر اپنے خط 20 مارچ تک ارسال کر دیجئے۔

جنوری 2019ء میں اولی الالباب بچوں کو بتایا گیا کہ تانا بانا یعنی دائیں بائیں لکیروں سے گراف بنتا ہے اور کائنات میں ہر چیز تانے بانے سے بنی ہے جیسے لباس۔ ادارہ کو بہت خطوط موصول ہوئے جن میں بچوں نے گراف پیپر پر تصویریں بنا کر بھیجیں اور تفکر بھی لکھا۔

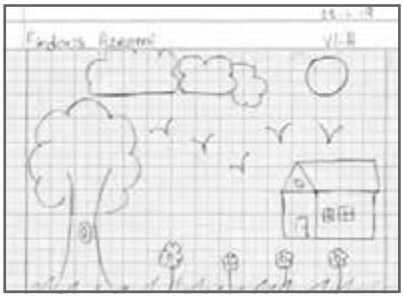

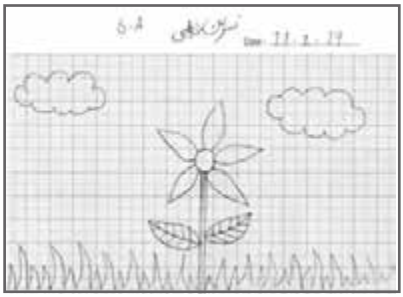

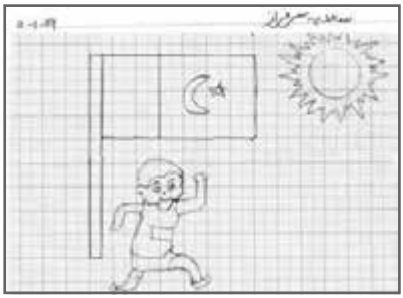

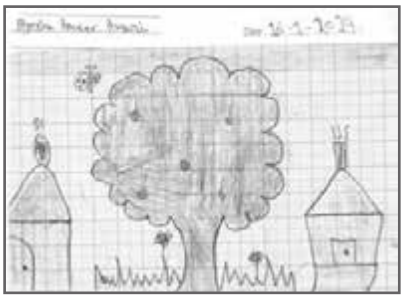

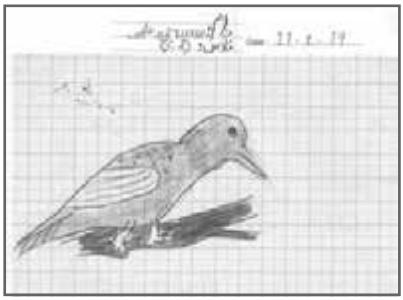

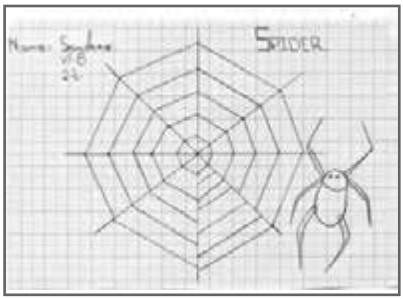

بچوں نے سوال پر تفکر کیا اور درج ذیل جوابات ارسال کئے۔

کلثوم شاہد (پاک پتن): اماں کے دوپٹے سے دھاگے نکالے۔ خوب ڈانٹ پڑی۔ پھر دادی جان نے بچایا اور اپنا پرانا دوپٹا دیا۔ دادی جان اور میں نے مل کر تانے بانے نکالے۔ آخر میں دوپٹا غائب ہوگیا۔ دادی جان نے بتایا کہ ہم ہوں، دوپٹا ہو، قمیص ہو یا کچھ بھی، سب تانے بانے سے بنتا ہے۔ تانے بانے کو مختلف شکلیں دینے سے کیا کچھ بن جاتا ہے۔

بلال زبیر (لاہور): میں جس چیز کو دیکھتا ہوں، اس میں لکیریں نظر آتی ہیں۔ ابا جی! ہر چیز ان لکیروں سے بنی ہے۔ پھر میں بلال ہوں یا میں لکیریں ہوں ــــ؟

صندیر قانت (کراچی): تانا بانا روح ہے۔ جیسے کپڑے سے تانا بانا نکال دیا جائے تو کپڑا غائب ہوجاتا ہے، اسی طرح اگر جسم سے روح نکل جائے تو جسم میں جان نہیں رہتی اور جسم غائب ہوجاتا ہے۔

جویریہ قریشی (کراچی): ہم سب بہن بھائیوں نے گراف کی مدد سے تصویریں بنائیں۔ میں نے گڑیا اور گڑیا کے لمبے بھورے بال بنائے۔ امی نے بتایا کہ ہمارا جسم بھی تانے بانے سے بنا ہے۔ غور کیا تو ہم سب کے ہاتھوں پیروں اور جسم پر آڑی ترچھی لکیریں ہیں۔ ہم سب چلتے پھرتے ہیں، کھیلتے ہیں، کھانا کھاتے ہیں، اسکول جاتے ہیں، ہوم ورک کرتے ہیں لیکن میری بنائی ہوئی گڑیا یہ سب کیوں نہیں کرتی ــــ؟

بابر جنید (اسلام آباد): کپڑے میں سے تانا بانا نکل جاتا ہے، میرا تانا بانا کہاں ہے؟ وہ کیسے نکلے گا؟

شمسہ بانو (کراچی): ہم گراف میں رہ کر حرکت کرتے ہیں اور جب اللہ کے پاس جاتے ہیں تو گراف میں سے نکل جاتے ہیں۔

کشف (نوشہرہ): بابا جی! جب سب کچھ تانے بانے سے بنتا ہے تو تانے بانے کے اتنے سارے نام کیسے ہوگئے؟

رامین اسرار (کراچی): جب آدمی بچہ ہوتا ہے تو اس کے دھاگے زیادہ ہوتے ہیں اور جب بوڑھا ہوجاتا ہے تو اللہ میاں پانچ چھ دھاگے نکال دیتے ہیں۔ جب آدمی مرجاتا ہے تو اللہ میاں پورا تانا بانا کھینچ لیتے ہیں اور کچھ نہیں رہتا۔

راشدہ خان (کراچی): بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تانا بانا بنتے ہیں جیسے نانی اماں سوئیٹر بنتی ہیں، اور بچہ بڑا ہوتا جاتا ہے۔

کونین (کراچی): تانا بانا اللہ کا نور ہے اور ہمارے اندر توانائی کی صورت میں جذب ہورہا ہے۔ اسی نور کی وجہ سے ہم سارے کام کرتے ہیں۔

گراف پیپر اور تفکر بھیجنے والے دیگر بچوں کے نام: وانیہ، رانا الیاس، فائزہ، صائم، عثمان، عمار، مجتبیٰ، ارسلان، شارق، محمد احسن، نورالدین، فضیل، سرمد، صارب، سمید، ہشام، حسنین، عبدالرافع، دلشاد، زوہیب، حنظلہ، عرفان احمد، حسن عامر، اسامہ، فاطمہ، رافعہ، سعدیہ، عنایہ، دعا، صفیہ خان، بشریٰ، ہما، نسرین، فردوس، فامیہ، زینب وہاج، عائشہ انصاری، عافیہ، کشف ناز، رابعہ، ماہ رخ، سعیدہ، زینب، سلیم، صہیب شاہ، ذیشان، ہاجرہ احمد، ریحان، ابوبکر، زوہیب، محمد قاسم، فرقان۔

روشنی کا قمقمہ

جنگل میں دو خرگوش رہنے آئے ۔ مکان کے قریب چوہوں کی بستی تھی۔ چوہے لالچی تھے، خرگوش کو ساتھ ملا کر بادشاہ کے گھر پر قبضہ کرنا چاہا۔ پنیر لے کر خرگوش کے گھر گئے ۔خرگوش سمجھ گئے کہ گڑبڑ ہے۔ چوہوں نے کہا، بھائی خرگوش ! تم بادشاہ سے قریب ہو، ان سے کہنا کہ چوہوں کو بادشاہ بنا دیں ۔اگلے دن شیر بادشاہ کا دربار لگا۔ سب مسئلہ بتا کر چلے گئے تو آخر میں خرگوش آئے۔

بادشاہ سلامت ! چوہوں نے پیغام بھیجا ہے کہ وہ بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ شیر دھاڑا — دھاڑ سن کر چوہے حاضر ہوگئے۔ بادشاہ نے پوچھا، کیا تم بادشاہ بننا چاہتے ہو؟ ایک چوہا بولا — جی ہاں۔ بادشاہ نے کہا، ٹھیک ہے دھاڑ کر دکھاؤ۔ چوہے نے کوشش کی مگر دھاڑ کے بجائے چوں چوں نکلی۔

بادشاہ نے مسکراتے ہوئے کہا، گیدڑ کا شکار کر کے دکھاؤ۔ چوہے بولے، ہم صرف اناج کھاتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا، ننھے ساتھیو! اللہ تعالیٰ نے ہر جانور کو صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ جگنو رات میں روشن ہوجاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جگنو نہیں روشنی کا قمقمہ ہے۔ بیا کی صلاحیت دیکھو کہ وہ ایک جگنو پکڑ کر اپنے گھر میں لے جاتی ہے جس سے اس کا گھر روشن ہوجاتا ہے۔ وہ گھر تو روشن کرسکتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بجلی بنادے۔ کیا آپ کو بات سمجھ میں آگئی؟ چوہے سمجھ گئے کہ شیر، شیر کیوں ہے اور ہم چوہے کیوں! ان کے اندر لالچ کی جگہ رحم، ادب اور محبت آگئی اور سب خوشی سے رہنے لگے۔

پیارے بچو! یہ اس زمانہ کا قصہ ہے جب لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ بجلی کیا ہے — لوگ سرسوں کے تیل سے دیا جلاتے تھے۔ ہمارے سائنس دانوں سے پہلے بیا کو معلوم تھا کہ گھر کو کیسے روشن کرنا ہے۔

آدم باغ ــــ باغ آدم

عالم رنگ و بو میں آنکھ کھولی تو میں ایک باغ میں تھا۔ اردگرد پودے اور گھنے درخت تھے۔ کچھ دیر یہ نظارہ دیکھتا رہا پھر دور سے کسی کو آتے دیکھا۔ لگتا تھا کہ وہ باغ کا خیال رکھتا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ میرے پاس پانی دینے پہنچا تو میں پوچھے بغیر رہ نہ سکا، آپ کون ہیں؟ وہ خاموش رہا جیسے کچھ نہیں سنا۔

ایک بار پھر پوچھا، کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں اور یہ جگہ کون سی ہے ــــ؟ جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر بعد سمجھ میں آیا کہ جواب تو تب ملے جب یہ سوال سنے۔ یہ میری آواز نہیں سن سکتا۔

وہ پانی دے کر چلا گیا تو آواز آئی کیا تم تھوڑی دیر خاموش نہیں رہ سکتے؟ میں حیران ہوا۔ آواز سامنے والے درخت کی تھی۔ اس سے پوچھا کیا تم میری آواز سن سکتے ہو؟ اس نے جواب دیا کیوں نہیں، تم نئے ہو اس لئے حیران ہو رہے ہو۔ میں جب نیا تھا تو تمہاری طرح حیران ہوا تھا۔

اس نے بتایا کہ ہم درخت آپس میں باتیں کرتے ہیں لیکن آدمی ہماری بات نہیں سن سکتے۔ اور پھر باتوں کا سلسلہ چل نکلا، اس نے کئی باتوں کا انکشاف کیا۔ ہم روز باتیں کرتے اور اس طرح اچھے دوست بن گئے۔ چوں کہ وہ مجھ سے بڑا تھا تو میں ادب میں اسے بھائی کہتا تھا۔

باغ کے ایک طرف سڑک تھی جہاں دن بھر آدمیوں کی آمد و رفت رہتی۔ ایک روز باتوں باتوں میں نظر سڑک پر چلتے ہوئے آدمی پر پڑی اور میں بے ساختہ بول اٹھا، یہ آدمی بھی عجیب مخلوق ہے، ان کے پاس دنیا کی ہر نعمت ہے اور ہمیں دیکھو! ایک جگہ کھڑے رہتے ہیں۔ کاش ہم بھی آدمی ہوتے۔

بھائی بولے، کاش! لیکن یہ ممکن نہیں، ہم صرف ان کو حسرت سے دیکھ سکتے ہیں، ان کی طرح زندگی کا لطف نہیں اٹھا سکتے۔

بھائی، یہ آدمی کتنے خوش قسمت ہیں، جہاں مرضی ہو، چلے جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں سے کام لے کر دنیا کا ہر کام کر لیتے ہیں۔ نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور ان کو کسی بات کی پریشانی نہیں ہوتی۔

بھائی نے کہا، ٹھیک کہتے ہو، زندگی ہو تو ان کے جیسی۔ اب ہمیں دیکھ لو ساری عمر ایک حالت میں کھڑے رہ کر گزر جاتی ہے۔

اس طرح ہم روز آدمیوں کو حسرت سے دیکھتے اور ان کے چہرہ پر اطمینان اور مسکراہٹ دیکھ کر اپنی قسمت کو کوستے۔

ایک روز باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک آواز آئی، تو تم لوگ آدمیوں سے متاثر ہو۔

میں نے حیرانی سے بھائی کی طرف دیکھا، وہ بھی آنکھوں میں حیرانی لئے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ ہم دونوں نے ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ گھبرا کر بھائی نے پوچھا، کون ہو؟ آواز کہاں سے آئی ہے؟ سامنے آؤ!

میں کون ہوں یہ جاننا ضروری نہیں۔ تم لوگ مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ تمہاری نظر خود پر سے نہیں ہٹتی۔ بھائی کی طرح میں نے بھی پوچھا، کون ہو، سامنے آؤ۔

آواز آئی، میں تم دونوں کے سامنے نہیں بلکہ باغ کے آخری سرے پر ہوں۔ کافی عرصہ سے اس باغ میں ہوں اور تمہاری باتیں سنتا رہتا ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے کہ آدمیوں کی زندگی بہت آسان ہے؟

میں نے فوراً جواب دیا، جی ہاں! اس میں شک نہیں۔ ان کی زندگی خوش حال اور بہترین ہے۔

آواز نے کہا، یہ محض باہر کی رنگینیاں ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ حقیقت میں آدمی پریشان ہے۔

بھائی نے کہا، وہ ہاتھ پاؤں استعمال کر کے ہر کام آسانی سے کر سکتے ہیں، جہاں دل چاہتا ہے چلے جاتے ہیں۔

آواز نے کہا، وہ تو ٹھیک ہے لیکن جو میں سمجھا رہا ہوں، تم وہ نہیں سمجھ رہے۔ ضرورت تو تمہاری بھی پوری ہوتی ہے۔ کیوں نہ تم خود آدمی بن کے آدمی کا حال دیکھو۔

کاش ہم آدمی بن سکتے۔ ہم نے حسرت سے کہا۔

آواز آئی، میں تم دونوں کو آدمی بنا دیتا ہوں، تمہیں ہر ضرورت میسر ہوگی۔

ٹھیک ہے لیکن پہلے یہ بتا دیں کہ آپ ہیں کون؟

وہ بولا، میں درخت ہوں لیکن معمولی درخت نہیں ہوں۔ اللہ نے مجھے صلاحیت سے نوازا ہے۔ میں تم دونوں کی خواہش پوری کر سکتا ہوں۔ آنکھیں بند کر کے آدمی بننے کی خواہش کو دل میں دہراؤ۔ اس کے بعد جو ہوگا، خود دیکھ لینا لیکن یاد رکھو! آدمی بننے کے بعد دوبارہ درخت بننے کی اجازت نہیں۔

ہم نے ایک آواز میں کہا، آدمی بننے کے بعد دوبارہ درخت کون بے وقوف بننا پسند کرے گا۔

باغ کے دوسرے سرے پر روشنی کا جھما کا ہوا۔ ایک لہر تنے سے ٹکرا کر مجھ میں جذب ہوگئی۔ پھر بہت تیز ہوا چلی کہ مجھے اپنی جڑیں زمین سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ بھائی کی حالت میرے جیسی تھی۔ ہم نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں اور چیخ پکار شروع کی لیکن طوفان ایسا طوفان تھا کہ اپنی آواز سنائی نہ دی۔ اور پھر چند لمحوں میں خاموشی چھا گئی جیسے کچھ ہوا نہ ہو۔

آنکھیں کھولیں تو خود کو دیکھ کر خوشی سے چیخ نکل گئی۔ یقین نہیں آیا کہ میں آدمی بن گیا تھا۔ شاخوں کی جگہ آدمیوں کے ہاتھ اور تنا پیر بن گیا تھا۔ میرے ساتھ ایک اور آدمی کھڑا تھا جو دراصل میرا بھائی تھا۔ وہ بھی حیرانی سے خود کو دیکھ رہا تھا۔ بھائی کو دیکھ کر اللہ کی حمد کی کہ واہ کیا خوب صورت آدمی بنایا ہے۔ اب ہمارا قد درخت سے آدمی کے برابر ہوگیا۔ ہم باغ کو خیر باد کہہ کر تھوڑی دور آئے تو سڑک کنارے گاڑی کھڑی تھی۔ گاڑی کے شیشہ میں ایک خوب رو (خوش شکل) نوجوان کا عکس تھا۔ خود کو آئینہ میں دیکھ کر نوجوان کے چہرہ پر مسکراہٹ پھیل گئی اور بھائی سے کہا، خوب صورتی میں، میں آپ سے کم نہیں۔

ہم نے ایک دوسرے کو گلے لگایا اور حیرانی کا اظہار کیا کہ کس طرح اس درخت نے ہمیں آدم زاد بنا دیا۔ ہم ایک بار پھر باغ میں اس درخت کی طرف گئے جس سے روشنی کی دھار ہمارے جسموں میں داخل ہوئی تھی۔

پوچھا، یہ سب کیسے ہوا—؟

ماورائی درخت کا پتا قدموں میں گرا۔ اٹھا کر دیکھا تو اس پر کندہ تحریر میں آسانی سے پڑھ سکتا تھا۔ لکھا تھا کہ اب تم دونوں آدمی ہو اور آدمیوں کی تمام صلاحیتیں تمہارے اندر موجود ہیں۔ قریب کھڑی گاڑی تمہاری ہے، اس میں گھر پہنچنے کا نقشہ ہے۔ وہاں ایک کمرے میں تمہیں اپنے دفتروں کی چابیاں ملیں گی۔ گھر میں ایک مہینہ کا راشن ہے۔ کل سے تم دونوں کو دفتر جا کر کام سنبھالنا ہے اور عام آدمیوں کی طرح زندگی گزارنی ہے۔

ہم خوش ہوئے اور درخت کا شکریہ ادا کیا۔ گاڑی میں بیٹھے۔ ایسا لگا جیسے میں برسوں سے گاڑی چلا رہا ہوں۔ گھر میں میز پر کھانا رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ دفتر کا پتہ بھی۔ پتہ پر لکھا تھا، آج کا کھانا میری

طرف سے، کل خود تیار کرنا ہوگا۔ کھانے کے بعد گھر کا جائزہ لیا۔ ہمیں قدرتی طور پر ہر چیز کا علم تھا اور استعمال کا طریقہ بھی آتا تھا۔

اگلے دن دفتر پہنچے وہاں سب چیزیں جانی پہچانی تھیں۔ یہ ایک بہترین زندگی تھی اور ہم خوشی سے نہال تھے۔ پہلا ہفتہ گھومنے پھرنے اور تفریح میں گزارا۔ دفتر کم جاتے اور سارا دن گھوم کے گھر آکر سو جاتے۔ یہ آرام دہ زندگی تھی۔

دوسرا اور تیسرا ہفتہ بھی سیر و تفریح میں گزر گیا۔ آخری ہفتہ شروع ہوا تو پیسے اور راشن احتیاط سے استعمال نہ کرنے کی وجہ سے وقت سے پہلے ختم ہوگئے۔ اب ہم خالی ہاتھ تھے۔

اگلے روز دفتر گئے۔ دفتر نہ جانے کی وجہ سے بہت نقصان ہوا تھا اور کام سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا۔ بری طرح پھنس چکے تھے اور کھانے کو کچھ نہیں تھا۔

ضروریات اور گھر کے اخراجات پورے کرنے کی خاطر گاڑی بیچی۔ چوں کہ ہمیں فوری پیسوں کی ضرورت تھی اور خریدار یہ بات جانتا تھا اس لئے گاڑی کم قیمت پر بکی۔ اس نے مجبوری کا فائدہ اٹھایا۔ ہم نے گھر میں راشن ڈلوایا، بجلی، پانی اور فون کے بل جمع کئے، کچھ پیسے گھر میں اور باقی کاروبار میں لگا دیئے لیکن ہاتھ تنگ ہوگیا تھا۔

چند مہینوں میں ہم اس زندگی سے بے زار ہوگئے اور لاپروائی کی وجہ سے خود کو مشکل میں ڈال دیا۔ دن گزرتے رہے، ہر روز نئی پریشانی ہوتی۔

آخر کار نڈھال ہوکر باغ کا رخ کیا اور ماورائی درخت کے پاس آئے۔ بہت منتیں کیں کہ پہلے جیسا بنا دیا جائے لیکن درخت خاموش تھا۔

ہم روتے رہے کہ غلطی ہوگئی، معاف کردیں۔ آنسو جب مٹی میں جذب ہونے لگے تو درخت میں سے شفیق آواز کانوں سے ٹکرائی — میرے بچو! یہ سب تو ہونا تھا۔ پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جو تم دیکھ رہے ہو ایسا نہیں ہے۔ آدمی اور درخت دونوں اللہ کی مخلوق ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ کس کو کہاں، کیوں اور کیسا ہونا چاہئے۔ میرا اور تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہمارے لئے منتخب کیا ہے، اسے خوشی خوشی قبول کریں۔ درخت آدمیوں کی زندگی گزار سکتا ہے نہ آدمی درختوں کی زندگی گزارتا ہے۔ جو بنا دیا — اسے قبول کرو۔ قبول کروگے تو خوش رہو گے۔ قبول نہیں کروگے تو ادھر ادھر دوسروں کو دیکھ کر پریشان ہوتے رہوگے۔ جب تم درخت تھے تو بھی تمہارے اندر نعمتوں کے خزانے تھے اور اب جب

کہ آدمی بن گئے ہو تو بھی خزانہ سے خالی نہیں ہو۔

ہم اس زندگی سے گھبرا گئے تھے اور باغ کے دن یاد کرتے تھے جب محنت کے بغیر ہر شے تیار ملتی تھی، نہ فکر تھی نہ فاقہ۔ ہر ضرورت پوری ہوتی اور دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کا بھی ذریعہ تھے۔

ماورائی درخت کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے کہ غلطی ہوگئی، معاف کردیں اور درخت بنادیں۔ درخت نے کہا، بتا دیا گیا تھا کہ ایک بار آدمی بننے کے بعد دوبارہ درخت نہیں بن سکتے۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ تمہاری معافی قبول فرمائیں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے۔

دونوں نے اللہ سے گڑگڑا کر ناشکری کی معافی مانگی۔ تھوڑی دیر بعد آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ تیز ہوا چلی، اتنی تیز کہ اردگرد چیزیں اڑتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ خود میں بھی ہوا میں معلق، باغ کے ایک سرے سے دوسرے سرے پر پہنچ گیا۔ محسوس ہوا مجھے کیل کی طرح زمین میں ٹھوک دیا گیا ہے۔ پیروں تلے گیلی نرم زمین اور سوندھی خوش بو محسوس کی تو آنکھ کھل گئی — میں درخت تھا۔ دائیں طرف نظر گئی تو بھائی بھی درخت بن گیا تھا۔ اللہ کے حضور ہم سجدہ ریز ہوئے اور لہلہا کر اللہ کی حمد وثنا میں مشغول ہوگئے۔

ہنسیں اور ہنسائیں

ایک آدمی نے کسی بچہ سے پوچھا،

منے! ڈاک خانہ کہاں ہے؟

بچہ: ہمارے گھر کے سامنے ہے۔

آدمی: تمہارا گھر کہاں ہے؟

بچہ: ڈاک خانہ کے سامنے۔

آدمی زچ ہوکر بولا، اور یہ دونوں کہاں ہیں؟

بچہ: آمنے سامنے۔

ایک صاحب آٹھویں منزل پر رہتے تھے۔

ایک دن وہ بالکونی میں کھڑے نیچے لوگوں کی چہل قدمی دیکھ رہے تھے۔ ایک شخص جو شکل سے خاصا پریشان نظر آرہا تھا، اس نے ان صاحب کو نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ صاحب جلدی جلدی آٹھویں منزل سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے اور پوچھا، بھائی کیا بات ہے، خیریت تو ہے ناں؟

وہ شخص مسکین صورت بنا کر بولا، صرف دس روپے کا سوال ہے بابا!

ان صاحب کو شدید غصہ آیا لیکن تحمل سے بولے، میرے ساتھ اوپر آؤ۔ بھکاری خوشی خوشی ساتھ ہولیا۔ جب آٹھویں منزل پر پہنچے تو وہ صاحب بولے، معاف کرو بابا!

ایک لڑکا اور بیر

ایک لڑکا ہے بڑا ایمان دار
آزمائش ہوچکی ہے چند بار

ایک دن وہ نیک دل اور باحیا
اپنے ہمسایہ کے گھر میں تھا گیا

تازہ تازہ بیر ڈلیا میں بھرے
بے حفاظت گھر کے اندر ہیں دھرے

لیکن اس نے بیر کو چھیڑا نہیں
ہو نہ جائے شبہ چوری کا کہیں

آ گیا اتنے میں ہمسایہ وہاں
کھیل میں مصروف ہے لڑکا جہاں

اپنے بیروں میں نہ پائی کچھ کمی
ہو کے خوش لڑکے سے بولا آدمی

بیر یہ تم نے چرائے کیوں نہیں ؟
کیوں چراتا؟ چور تھا کیا میں کہیں

چور جب بنتے کہ کوئی دیکھتا
دیکھنے کو میں ہی خود موجود تھا

کچھ برائی آپ میں گر پاؤں میں
پانی پانی شرم سے ہوجاؤں میں

واہ وا! شاباش لڑکے واہ وا
تو جواں مردوں سے بازی لے گیا

اپو، ٹپو، گپو

چھانگا مانگا کے جنگلوں میں لومڑیوں کا ایک خاندان رہتا تھا جس میں اماں اور ابا لومڑی کے علاوہ ان کے تین بچے بھی تھے، جن کے نام گپو ــــ اپو ــــ اور ٹپو تھے۔ ایک کا نام دادا نے، دوسرے کا نانی نے اور تیسرا دونوں میاں بیوی نے مشورہ سے رکھا تھا۔ کہتے ہیں لومڑی چالاک ہوتی ہے لیکن بچے جس کے بھی ہوں، معصوم ہوتے ہیں۔

بابا لومڑی نے کہا، میں دور جنگل میں ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے واپسی میں کئی دن لگیں میرے جانے کے بعد کوئی امی کو پریشان نہیں کرے گا بلکہ ان کا ہاتھ بٹائے گا۔

اپو سب میں شرارتی تھا۔ بولا، بابا کوشش کریں گے۔ بابا ہنسے اور بچوں کو گلے سے لگایا۔ جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوئے، بچے دروازہ پر کھڑے ہاتھ ہلاتے رہے۔

چار دن آرام سے گزر گئے۔ بچوں نے وعدہ کے مطابق ذمہ داری سے کام کیا اور امی کو پریشان نہیں کیا۔ غلط چیز کھانے سے ٹپو کا پیٹ خراب ہوگیا۔ اماں کو فکر ہوئی، بازار میں جڑی بوٹی ملتی تھی جسے کھا کر ٹپو ٹھیک ہوسکتا تھا۔

اماں بولیں، مجھے بازار جانا ہوگا، جنگل خطرناک ہے، تم سب کو ساتھ نہیں لے جاسکتی۔ سب نے منہ بنا لیا۔ اماں نے کہا، میں اکیلی ہوں، تمہارے بابا ساتھ نہیں اس لئے تمہاری رکھوالی مشکل ہوجائے گی۔ میرے سوا کسی کے لئے دروازہ نہیں کھولنا۔

اپو نے پوچھا، اماں کیسے معلوم ہوگا کہ دروازہ پر آپ ہیں۔ اماں نے کہا، میں تین دفعہ دروازہ کھٹکھٹاؤں گی اور کہوں گی کہ گپو، اپو اور ٹپو دروازہ کھولو۔ آواز پہچان کر دروازہ کھول دینا۔

اماں بازار چلی گئیں اور بچوں کی عید ہوگئی۔ ان کے جانے کی دیر تھی کہ ایک نے پلنگ پر چھلانگیں لگائیں، بھائی کی دیکھا دیکھی دوسرے نے اچھلنا شروع کر دیا۔ ٹپو دونوں کو حسرت سے دیکھ رہا تھا کہ اس طرح کھیلنے کودنے کا موقع کبھی کبھی ملتا ہے لیکن پیٹ خراب ہونے کی وجہ سے کم زوری ہوگئی تھی۔

اماں لومڑی بازار جانے سے پہلے جب بچوں کو ہدایت دے رہی تھیں تو باہر جنگل کے بادشاہ کا گزر ہوا۔ اس نے لومڑی کی باتیں سن لیں اور کہا، واہ آج تو خوب شکار ہاتھ لگا ہے۔ لومڑی کے چھوٹے چھوٹے بچے — نرم نرم گوشت زیادہ چبانا نہیں پڑے گا۔ شیر یہ سوچ کر قریب جھاڑی میں چھپ گیا اور لومڑی کے جانے کا انتظار کرنے لگا۔

لومڑی کے جاتے ہی شیر دروازہ پر گیا، تین بار دستک دی اور آواز بدل کر بولا، گپو، اپو، ٹپو — دروازہ کھولو۔''

تینوں بھائی آواز سن کر چونک گئے اور کہا، ابھی تو اماں گئی ہیں، اتنی جلدی کیسے آ گئیں۔ شاید کچھ بھول گئی ہیں۔ گپو بولا، وہ تو ٹھیک ہے لیکن اماں کی آواز تو ایسی نہیں۔ کیا کریں؟

بہت سوچا مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

پیارے بچو! لومڑی کے پڑوس میں دیگر لومڑیوں کے خاندان تھے جو ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ قریب درختوں پر بندر رہتے تھے۔ وہ علاقہ پر نظر رکھتے اور خطرہ کی صورت میں سب کو خبردار کر دیتے تھے۔ لومڑیوں نے جب شیر کو اپو، گپو اور ٹپو کے نام لیتے ہوئے سنا تو سب ڈر گئے۔

ایک لومڑی نے سمجھ داری کا مظاہرہ کیا اور بندروں کے پاس پہنچ گئی۔

بھائی بندرو! ہماری مدد کرو۔

ان میں سے ایک فوراً آگے آیا اور بولا، بی لومڑی ہم وہی بندر ہیں جن کے بارے میں کل تم کہہ رہی تھیں کہ بندر کیا جانے ادرک کا مزہ!

لومڑی فوراً بولی، اور جواب میں تم نے مجھے کہا تھا کہ انگور کھٹے ہیں۔ سارے بندر کھی کھی کرنے لگے۔ لیکن آج لومڑی نے برا نہیں منایا اور بولی، ہماری بہن لومڑی کے بچوں کی جان کو خطرہ ہے۔ اپو، گپو، ٹپو چھوٹے ہیں، اگر ان کی مدد نہیں کی تو شیر ہڑپ کر لے گا۔

بندر خبردار اور سنجیدہ ہو گئے لیکن پریشان نہیں ہوئے۔ ایک بہادر بندر نے کہا، پریشانی کی بات نہیں، ہم ایسی چال چلیں گے کہ شیر آئندہ یہاں کا رخ نہیں کرے گا۔ اس نے مخصوص آواز نکال کر قریب موجود دیگر بندروں کو ہوشیار کیا۔ پھر مدد کے لئے آنے والی لومڑی سے کہا، ویسے تو تم چالاکی میں ہماری استاد ہو لیکن آج ہمارے مشورہ پر عمل کرو۔

بندر درختوں پر جھولتے ہوئے لومڑی کے گھر پہنچے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اُود بلاؤ یعنی

beaver بھی قریب رہتے تھے۔

بچو! اُود بلاؤ ڈھائی فٹ کا چھوٹا جانور ہے جو چار سے چھ منٹ میں اپنے دانتوں سے درخت کاٹ دیتا ہے۔ اس کے دانت سالہا سال بڑھتے رہتے ہیں اس لئے درخت کاٹنے سے دانت گھستے ہیں لیکن ختم نہیں ہوتے۔ بندروں نے اُود بلاؤ کو صورت حال بتائی تو اس نے انہیں لکڑیاں لے جانے کی اجازت دے دی۔

بندروں نے لکڑیاں اٹھائیں، آدھے سے زیادہ درختوں پر اور چند بندر پیچھے والے راستہ سے لومڑی کے گھر کی چھت پر چڑھ گئے۔

چھت سے نیچے دیکھا تو شیر دروازہ پر کھڑا تھا۔

انہوں نے اوپر سے شیر کے سر پر ڈنڈوں کی بارش کر دی— ٹپ ٹپ۔ شیر سر اٹھا کر دیکھ نہیں سکا۔

پھر بندر پیچھے ہٹ گئے۔

شیر نے اوپر دیکھا تو کوئی نہیں تھا۔

شیر زور سے دھاڑا— کون ہے؟

آس پاس لومڑیاں اپنے گھروں کی چھتوں سے یہ منظر دیکھ کر ہنس رہی تھیں اور درختوں پر بندر بیٹھے کھی کھی کھی کر رہے تھے۔

شیر کو بہت غصہ آیا اور دھاڑ کر دروازہ پر لات ماری۔ اپو، ٹپو اور گپو شور سن کر ڈر گئے۔ وہ سمجھ گئے کہ باہر خطرہ ہے۔ تینوں دبک کر بیٹھ گئے۔ اپو شرارتیں بھول گیا، ٹپو کی جان میں جان نہیں تھی اور گپو کو پیٹ کا درد یاد نہیں رہا۔

جب شیر دروازہ سے نہیں ہٹا تو بندر کے منصوبہ کے مطابق ایک لومڑی نے آواز لگائی، ساتھیو— دوڑو! لومڑیوں نے آوازیں نکالتے ہوئے دوڑ لگا دی اور درخت پر بیٹھے بندروں نے شور مچانا کر دیا۔ جنگل شور سے گونج اٹھا۔ لومڑیوں اور بندروں کی آوازیں جب فضا میں ایک ساتھ بلند ہوئیں تو جنگل کا بادشاہ گھبرا گیا اور بھاگنے میں بہتری سمجھی۔

درخت پر بندروں کے ہاتھ میں پتلی پتلی شاخیں تھیں، شیر جہاں سے گزرتا، بندر شاخوں کی بارش کر دیتے۔ آس پاس جانوروں کا شور، اپنے پیچھے لومڑیوں اور درختوں پر بندروں کی فوج دیکھ کر شیر اتنا گھبرایا کہ دوڑ لگا دی اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

بچو! سریلی آواز سے سکون ملتا ہے۔ کرخت آواز سن کر ذہن پر اچھا تاثر نہیں بنتا اور آواز میں گونجار یا ماحول میں شور ہو تو دل زور زور سے دھڑکنے لگتا ہے۔ بتائیے ایسا کیوں ہوتا ہے—؟

اپو، گپو اور ٹپو کے اماں ابا گھر لوٹے تو بچے ان

سے لپٹ گئے اور توتلی آواز میں بتایا کہ شیر آیا تھا۔ اماں ابا کے دل دہل گئے۔ جب انہیں پڑوسیوں کی مدد کا علم ہوا تو انہوں نے سب کا شکریہ ادا کیا اور خاص طور پر اس بندر اور لومڑی کا جن کی بہادری اور سمجھ داری کی وجہ سے شیر بھاگنے پر مجبور ہوا۔

اماں ابا نے بچوں کو سکھایا کہ جب ہم پڑوسیوں کا خیال رکھتے ہیں، ان سے سلام دعا رکھتے ہیں، گھر میں جو اچھے کھانے پکیں جیسے دال چاول، روٹی چٹنی، نہاری حلیم وغیرہ پڑوسیوں کے گھر بھیجنے سے محبت بڑھتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی سکھایا کہ مشکل میں پریشان ہونے کے بجائے حل تلاش کیا جائے تو بندہ پریشانی سے جلد نکل آتا ہے۔

پیارے بچو! جنگل کی دنیا کہانیوں سے بھرپور ہے بالکل اسی طرح جیسے بڑے بڑے شہروں اور چھوٹے دیہاتوں میں بے شمار کہانیاں ہیں۔ کہانیوں میں کردار پرانے ہوتے ہیں لیکن بات سے جب بات نکلتی ہے تو بات نئی بن جاتی ہے۔

بچو! ہر مہینہ آپ کہانیاں پڑھتے ہیں۔ کیا آپ یہ کہانیاں اپنے بہن بھائیوں اور دوستوں کو سناتے ہیں—؟ کہانیاں آپ کو کیسی لگتی ہیں اور آپ نے ان سے کیا سیکھا۔ جو سیکھا کیا گھر والے اور دوست آپ کے اندر اس تبدیلی کو محسوس کرتے ہیں—؟

''ماہنامہ قلندر شعور'' آپ کا دوست ہے اور چاہتا ہے کہ آپ غور و فکر کر کے باہر کی دنیا کے ساتھ اندر کی دنیا دیکھیں، اپنے اندر روشنی سے واقف ہوں اور اللہ میاں کے باغ کے پھول بن جائیں۔

پھول نگر کی گڑیا

ایک ہے گڑیا پھول نگر میں
رہتی ہے پھولوں کے گھر میں
پھولوں کی خوش بو سے کھیلے
کھاتی ہے وہ سیب اور کیلے
پیتی ہے چشمہ کا پانی
لگتی ہے پھولوں کی رانی
تتلی اس کو دیکھ رہی ہے
تتلی کے وہ پاس کھڑی ہے
چندا ماموں کی ہے پیاری
تارے سارے اس پہ واری
گول مٹول سی پیاری گڑیا
دیکھ رہی ہے چاند سے بڑھیا
گڑیا ہے پھولوں پر سوگئی
سوجاؤ اب رات بھی ہوگئی

(مرسلہ: الوینہ، کراچی)

خواب تعبیر اور مشورہ

مراقبہ ہال پھالیہ

خالد جاوید تارڑ، پھالیہ۔ خواب میں دیکھا کہ ایک دوست مجھے اور دوسرے دوست کو اسکول جیسی ایک عمارت کے پاس لے جا کر بتاتے ہیں کہ ہمارے کسی دوست نے یہ جگہ بنائی ہے۔ ہمیں بہت خوشی ہوئی اور اسی سرور کی کیفیت میں کمرے کا معائنہ کیا۔ دیواروں پر سفیدی ہوگئی مگر کچے فرش پر ریت ہے۔

اچانک چند چھوٹے بچے آ گئے جنہیں دیکھ کر ہمیں مزید خوشی ہوئی۔ ایک دوست ان کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئے۔

جن صاحب کے ہم راہ آیا ہوں ان کے ساتھ اپنی مادری زبان میں بات کرتا ہوں۔ میں انہیں غور سے دیکھتا ہوں تو وہ صاحب کالی عینک لگائے اوور کوٹ پہنے بہت پرسکون ہیں۔ ان سے باتوں میں مصروف ہوں۔ کچھ فاصلہ پر ایک ریفائنری ہے جسے دیکھنے قریب گئے تو اس کے اوپر بہت بڑا گنبد ہے اور فرش پر خوب صورت کاشی کاری ہے۔ ہم فرش پر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ میں تجسس سے پوچھتا ہوں، یہ جگہ کہاں ہے؟ دور موجود ایک ریفائنری کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ ان دونوں کے درمیان ایک راستہ کراچی، حیدرآباد کی سپر ہائی وے سے گزرتا ہے۔ اسکول کا خرچ پوچھنے پر ٹیکس کی مد میں چھ سو روپے بتائے۔ اس کے نیچے ایک کونے میں کچھ بنا ہے جس کے بارے میں بتایا کہ وہ تنور ہے۔

ہم جہاں بیٹھے ہیں وہاں بہت گہرائی میں سورج مکھی جیسے پتلے پتلے پودے خوب صورتی میں اضافہ کر رہے ہیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ ان میں سے کچھ پودے اپنے مراقبہ ہال لے جاؤں۔ یہ جگہ کسی اور زون کی لگ رہی ہے۔ اس وقت سے سرور میں ہوں۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھیں۔ آپ کو غیبی دنیا کے باغ کی سیر کرائی گئی ہے۔ آپ دیکھ کر خوش ہوئے اور مراقبہ ہال لے جانے کی خواہش ہوئی، اس طرف اشارہ ہے، الحمدللہ آپ کو مراقبہ ہال کے معاملات اور تزئین و آرائش میں بہت زیادہ سکون ملتا ہے۔ آپ نے خواب میں خود کو سکون کی کیفیت میں دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ پھولوں، پودوں اور درختوں کو آپ سے محبت ہے اور مراقبہ ہال کا خوب صورت منظر خوشی میں آپ کے لئے دعا کرتا ہے۔

کائنات میں کوئی شے یعنی مخلوق ایسی نہیں ہے جو سوچ اور سمجھ نہ رکھتی ہو البتہ سوچنے اور سمجھنے میں درجہ

بندی ہے۔ زمین و آسمان میں اللہ کی ہر تخلیق، خالق و مالک اللہ کی حمد بیان کرتی ہے اور جس فطرت پر اللہ نے اس کو تخلیق کیا ہے اس پر عمل کرتی ہے۔

آپ کا خواب پڑھ کر مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔ یہ ایک روحانی کیفیت بھی ہے جس میں اگر اضافہ کرلیا جائے یعنی اللہ کی نشانیوں پر غور کیا جائے تو بندہ کی خوشی، غم، زندگی کا ہر رخ کیئر آف اللہ ہو جائے، جیسا کہ ہے، تو آدمی خوف، حزن و ملال سے آزاد ہو جاتا ہے۔ رحیم و کریم اللہ کا ارشاد ہے، اللہ کے دوستوں کو خوف اور غم نہیں ہوتا۔

فجر کی نماز کے بعد معمول بنائیں کہ آپ قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ پڑھیں، معنی اور مفہوم پر تفکر کریں کہ ارشاد باری تعالیٰ میں کیا پیغام اور کیا رموز ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے، میں بہت خوش ہوں۔

بھتیجی

مریم، کراچی۔ بھتیجی بیرون ملک منتقل ہوگئی ہے۔ خواب میں دیکھا کہ وہ گلے لگ کر خوب روئی ہے۔

تعبیر: خواب میں جذبات کی عکاسی ہوتی ہے۔ جو کچھ آپ نے دیکھا ہے یہ یاد کرنے کے تاثرات ہیں۔ بھتیجی آپ کو یاد کرتی ہے، اس سے رابطہ رکھیں وہ خوش ہو جائے گی۔

سرخ مچھر

ا، ب، لاہور۔ دیکھا کہ ایک کمرے میں بیٹی سو رہی ہے۔ میں اور بیگم کمرے میں گئے تو ایک دم اس کے اوپر سے مچھر اڑے جن میں سے ایک بہت سرخ ہو رہا تھا جیسے خوب خون پیا ہو۔ بیگم نے یہ منظر دیکھتے ہی کہا کہ ہائے میری بچی۔ بیٹی کی عمر سات سال ہے۔

تعبیر: کھانے پینے میں جو اشیا استعمال ہوتی ہیں وہ خالص نہیں ہیں۔ بازار کے کھانوں سے پرہیز ضروری ہے۔

اسپیشلسٹ کو دکھائیں

نام شائع نہ کریں، کراچی۔ خواب میں الٹے ہاتھ کی انگلیاں کھوکھلی ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ انگلیوں کے اوپر والے جوڑ سے لے کر ناخن تک گوشت غائب ہوگیا جیسے فنگس لگ گیا ہو۔ خوف سے آنکھ کھل گئی۔ اٹھنے کے بعد اللہ کا شکر ادا کیا کہ میں ٹھیک ہوں۔

تعبیر: خواب صحت سے متعلق ہے۔ خواب میں اعصاب میں تکان اور ناخن میں فنگس کی علامات ہیں واللہ اعلم۔ اسپیشلسٹ کو دکھائیں۔

کپڑے کی دیوار

ا، پ، کراچی۔ خواب میں گھر کی چھت پر کپڑے کی دیوار نظر آئی جو ایسے جھول رہی ہے جیسے گر پڑے گی۔ اس کے برابر میں کنکریٹ کی مضبوط دیوار ہے۔ پھر چھت پر ایک شگاف میں سے بھیا کا باتھ روم نظر آیا اور آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: خواب میں آپ کو بتایا گیا ہے کہ آپ اس وقت جن مسائل میں گھرے ہوئے ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ سارے معاملات اللہ کے اوپر چھوڑ دیں، توبہ

استغفار کریں اور چلتے پھرتے وضو بے وضو یا حی یا قیوم کا ورد کریں۔ ابدال حق حضور قلندر باباؒ نے فرمایا ہے، معاملات سلجھانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک فریق سمجھوتہ کرے۔ کل کیا ہوگا اس کا علم اللہ کو ہے۔ اپنے تمام معاملات حضور پاکؐ کے ارشاد کے مطابق اللہ کے اوپر چھوڑ دیں۔

سارا سامان چوری ہوگیا

رحیمہ۔ دو خوابوں نے بہت پریشان کیا ہے۔ پہلے دیکھا کہ نوکری سے نکال دی گئی ہوں پھر دیکھا کہ گھر کا سارا سامان چوری ہوگیا ہے۔

تعبیر: احتیاط ضروری ہے۔ خواب میں لاشعور نے آپ کو ایسے افراد سے احتیاط کرنے کا کہا ہے جو غلط باتوں کی آپ کو ترغیب دیتے ہیں۔ کوئی شخص چاہتا ہے کہ ایسے کام آپ سے کرادے جن کا فائدہ اسے ہو جب کہ وہ کام بھی غلط طریقہ سے کیا جائے اور آپ کا اس میں کچھ حاصل حصول نہ ہو۔ اللہ حفاظت فرمائے۔

آپ کے لاشعور نے اس حد تک آپ کو متوجہ کیا کہ یہ خواب آپ کو یاد رہ گیا۔ آپ یہ خواب کئی مرتبہ پہلے دیکھ چکی ہیں لیکن بھول گئی تھیں۔ گھر کے اثاثوں کا ضائع ہونا اور نوکری سے نکال دیا جانا ایک ہی بات ہے جس کا مطلب بیان کیا جاچکا ہے۔

فاطمہ، کراچی۔ **تعبیر۔** گھر میں کوئی بیمار ہے۔ گردن کے پٹھے اور کمر میں ریڑھ کی ہڈی متاثر نظر آتی ہے (واللہ اعلم) باقاعدہ معائنہ کرانے کی ضرورت ہے۔

سعادت

محمد عاشق، ایبٹ آباد۔ دیکھا کہ بیوی کے ساتھ طواف میں مصروف ہوں۔ پانی کے ایک کنوئیں پر پہنچا تو کسی نے بتایا کہ یہ کنواں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ جی بھر کر پانی پیا اور کافی دیر کھڑا رہا۔ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم کی وجہ سے اس کنوئیں کا پانی پینے کی سعادت اور اتنی دیر کھڑے ہونے کی توفیق ملی۔

تعبیر: الحمدللہ خواب بہت مبارک ہے۔ خواب میں پیغام ہے کہ قرآن کریم ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے۔ قرآن کریم کی پہلی آیت،

ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین

''اس کتاب میں شک نہیں ہے اور ہدایت بخشتی ہے متقی لوگوں کو۔'' (البقرۃ: ۲)

متقی وہ خواتین وحضرات ہیں جو غیب وشہود سے واقف ہیں۔ واقفیت یہ ہے کہ وہ غیب کو دیکھتے اور جانتے ہوں۔

کُن سے کائنات تخلیق ہوئی لیکن تخلیق ہونے کے بعد کائنات کو یہ علم نہیں تھا کہ ہمیں کس بااختیار ہستی نے تخلیق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جلوہ نمائی فرمائی — کہا، الست بربکم۔ میں تمہارا رب ہوں۔ تخلیقات نے رب العالمین کو دیکھا اور دیکھ کر اقرار کیا۔ جی ہاں، آپ ہمارے خالق ہیں۔ اللہ رب العالمین کی حاکمیت کا اقرار کرنے کے بعد اللہ کو سجدہ کیا۔

قرآن کریم کا اعجاز ہے اگر معنی ومفہوم پر غیر جانب دار ہوکر غور وفکر کیا جائے تو اللہ کی باتیں روشن تحریر بن جاتی ہیں اور اس تحریر کا عکس ذہن کے اوپر منتقل ہوجاتا ہے۔علم کی منتقلی کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ آدمی جو نہیں جانتا اس کے معنی ومفہوم سمجھ لے۔ہم پڑھتے ہیں اس کتاب میں شک نہیں ہے لیکن اگر ہمارے اندر شک ہے تو کیا کتاب کے معنی ومفہوم حقیقت پر مبنی ہوں گے؟

سانپ ــــ شادی

نام شائع نہیں کریں۔ حیرت انگیز طور پر پہلے سانپ خواب میں اردگرد رینگتا نظر آتا تھا جب کہ کچھ عرصہ سے شادیوں کی تقریبات خواب میں دیکھتی ہوں لیکن تقریبات میں خوشی کے بجائے افسردہ بیٹھی ہوں۔ ایسے خواب دیکھنے سے بیداری میں بھی افسردگی ہوتی ہے۔

تعبیر: نظام ہضم کی خرابی کی وجہ سے کسی کے خلاف نفرت ابھری ــــ یہ جذبہ خواب میں سانپ نظر آتا ہے۔ ہاضمہ صحیح ہونے کے بعد تقریبات نظر آتی ہیں جس کی وجہ لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کا رجحان ہے۔لوگوں سے انسیت کا رجحان ــــ جب محبت کا جواب محبت سے نہیں پاتا تو افسردگی ہوتی ہے۔رات کو سونے سے پہلے سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کریں۔

سانپ مرا ہوا تھا

ع، د، لاہور۔خواب میں دیکھا کہ مچھر مارنے کے ریکٹ پر ایک کن کھجورا رینگ رہا تھا۔کسی نے ریکٹ کا بٹن دبایا تاکہ وہ مرجائے۔کن کھجورا نیچے گرا اور بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ شکل بدلنے لگا، یہاں تک کہ چار فٹ لمبا سانپ بن گیا۔بٹن دبانے سے کن کھجورا مرگیا تھا اس وجہ سے سانپ بھی مرا ہوا تھا۔اس کے جسم پر جلنے کے بہت ہلکے ہلکے نشانات موجود تھے۔ریکٹ خالہ کا تھا جو کہ میری ہونے والی ساس ہیں۔

تعبیر: خواب صحت سے متعلق ہے۔ایسی عادت اختیار نہیں کرنی چاہئے جس سے آدمی ضائع ہو۔اچھا لٹریچر خصوصاً سیرت طیبہؐ کا مطالعہ کریں اور پاکیزہ اوصاف پر عمل کریں۔

شکیلہ۔**تعبیر:** خواب کے تمثلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا شوق نتیجہ خیز نہیں ہے۔جس شوق سے علمی، جسمانی، روحانی یا ذہنی صلاحیتوں میں اضافہ نہیں ہوتا وہ ذہنی استحکام کو متاثر کرتا ہے۔مثلاً آپ ایک گاڑی میں سوار ہیں جس کے ہر مسافر کا فون نمبر نوٹ کرکے سمجھا جائے کہ یہ میرا دوست ہے۔

کبوتر، مور اور پرندے

سلمیٰ کنول، کراچی۔خواب میں کسی پہاڑی علاقہ کی سیر کی جہاں رنگ رنگ پھول کھلے ہیں اور قریب ایک گڑھے میں پودے لگے ہیں۔پودوں کی خوب صورتی نے مجھے متوجہ کیا، جب ان کے قریب گیا تو پودے دو کبوتر نظر آئے۔کبوتروں کو پکڑنے کی خواہش

پیدا ہوئی تو میں ان کی طرف گیا مگر وہ اڑے اور ایک قلعہ کی طرف جانے لگے۔ ان کے پیچھے پیچھے اس جگہ پہنچا تو کئی پرندے اور دو مور بھی کبوتروں کے ساتھ رقص کر رہے تھے۔ موروں میں ایک سبز اور دوسرا سفید رنگ کے پروں والا تھا۔ پھر یہ تمام پرندے ایک گڑھے میں غائب ہوگئے۔

تعبیر: پرندوں کا رقص وہ ترغیب ہے جو طبیعت کو دی گئی لیکن سستی اور کاہلی کاموں میں رکاوٹ ہے۔ اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے مستقل مزاجی کے ساتھ جدوجہد کامیابی کے راستے کھولنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ ہمت سے کام لینے پر خواب میں ظاہر کی گئی محرومی کا مداوا کیا جاسکتا ہے۔

ایصالِ ثواب

کنول۔ سات آٹھ سال پہلے میری ایک سہیلی کا انتقال ہوگیا تھا جسے کئی دفعہ خواب میں خوش اور پرسکون دیکھا۔ کچھ عرصہ پہلے دیکھا کہ سہیلی میرے گھر آئی لیکن بہت ناراض تھی۔ اس دن کے بعد سے سہیلی خواب میں نہیں آئی۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھ سے ایسا کون سا کام ہوگیا جس نے اسے ناراض کردیا۔

تعبیر: خواب میں ایسے اشارے ہیں کہ آپ کی سہیلی نے کئی دفعہ مدد مانگی جسے آپ نے اہمیت نہیں دی یا سمجھیں نہیں۔ آپ کی سہیلی کو توقع تھی کہ آپ اس کے

آپ کے خواب اور ان کی تعبیر

پورا نام:..... والدہ صاحبہ کا نام: .....

پورا پتہ:.....

ازدواجی حیثیت:.....وزن (تقریباً): .....آنکھوں کا رنگ.....

نیند کیسی آتی ہے:.....بلڈ پریشر (نارمل/ہائی/لو):..... تاریخ پیدائش:.....

میٹھا پسند ہے یا نمکین چیزیں زیادہ مرغوب ہیں؟.....فون نمبر.....

خدانخواستہ دماغی، نفسیاتی مرض اور وہم کے مرض میں مبتلا ہوں تو ضرور لکھیں: ہاں / نہیں

مختصر حالات : .....

.....

لئے کچھ کریں گی لیکن آپ کے طرز عمل سے وہ مایوس ہوگئی اور قطع تعلق کرلیا۔ سہیلی کی ناراضی سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ سے باندھی گئی اس کی امیدیں پوری نہیں ہوئیں اور وہ آپ سے ناامید ہوگئی۔

دوست کی روح کو ایصال ثواب کرنے کے لئے قرآن خوانی کروایئے اور غربا و مساکین میں کھانا تقسیم کرکے سہیلی کو ایصال ثواب کردیں۔

شادی

سرور۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں باجماعت نماز پڑھنے گیا تو آخری رکعت مل گئی جس میں شریک ہوا اور آنکھ کھل گئی۔

تعبیر: آپ کی اولاد یا کسی ایسے رشتہ دار، جس کی ذمہ داری آپ کے اوپر ہے، اس کی شادی میں دیر کررہے ہیں۔ خواب میں آپ کو اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنی ذمہ داری کو بھرپور طریقہ سے پورا کیجئے۔

شفا

راحیل۔ میرے کولیگ نے خواب دیکھا کہ کسی انجان شخص سے ان کی بیوی کی شادی ہورہی ہے۔ وہ حیران و پریشان ہیں کہ اس کا مطلب کیا ہے۔

تعبیر: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے خواب دیکھنے والے صاحب کو بیماری کے بعد شفا ہوگئی۔ یہی تعبیر ہے۔

دماغ کی رگ پھٹ جانا (coma)

بعض اوقات سر کے اوپر شدید چوٹ لگ جانے سے دماغ کا اندرونی نظام ٹوٹ جاتا ہے، کوئی صدمہ پہنچے یا دوران خون دماغ کو جھٹکا لگنے کی وجہ سے دماغ کی کوئی رگ ٹوٹ جاتی ہے اور مریض بے ہوش ہوجاتا ہے، اس کو کوما (coma) بھی کہتے ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ دنبہ کی اون یا بکری اور دنبہ کی کھال کو ایسی جگہ جلایا جائے جہاں سے مریض تک دھواں پہنچ سکے۔ اس دھوئیں سے دماغ کے وہ خلیے بحال ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے مریض بے ہوش ہوا ہے۔ علاج میں بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، ذرا سی لاپروائی خطرہ کا باعث بن سکتی ہے۔

خون کی کمی (انیمیا anaemia)

جسم میں خون کی کمی دور کرنے کے لئے بسم اللہ شریف کے ساتھ تین مرتبہ

یَاحَیُّ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ یَاحَیُّ بَعْدَ کُلِّ شَیْءٍ

پڑھ کر پانی پیا جائے۔ شربت یا دودھ یا جو بھی مشروب پئیں اس پر دم کرکے پئیں۔ جب خون کی کمی دور ہوجائے یہ عمل ترک کردیں۔

eternity. No one knows the limits of love, as to where it ends and from where it starts. As you all have passed through the valley of *talab*, you should know that the zenith of yearning is love, and for love, there exists no end point."

A bird then asked Hoopoe, "When we know the way, only then we decide to travel. Since there is no end here, how can we begin the journey towards the next destination?"

Hoopoe smiled and said, "As per laws, there must be an end to a journey as it has commenced too. Since you have trudged on this path of love, it will come to an end as well. The more you move forward in this path of love, the pathways ahead will light up and show you the way. It will seem as though you have left the valley of love behind, but it will accompany you in every journey of yours. That is why, despite crossing this valley, you won't be able to reach its end. Don't confuse your mind with the beginning and end of this journey, just submit obediently and stay submerged in the ocean of love, and let its wave hold you in its embrace. These waves will take you to a point where you'll embark on a new voyage leading you to the valley of realisation. Let me tell you the characteristics of this valley.

Just as in love where there is neither beginning nor an end, so is the case in the valley of realisation. There, everybody will have a different course depending on the strength of their love. The path unveils itself as per the purity of love. The fortunate ones reach there and become distinguished – every speck of the universe illuminates before them and they witness the *Noor* of the True Beloved."

The birds said to Hoopoe, "If it hadn't been for you, we would have been left ignorant."

The hoopoe responded, "It is not possible to pass through this valley without the guidance of a *Kamil Murshid* (A perfect spiritual teacher), therefore, hold firmly to the guiding hands of the spiritual master, and keep away from confusion. If you attain realisation, then offer gratitude to God, and see that *gaze* in everything you see. Remember! Your observance will be proportionate to your determination and will.

The further your capacity increases, then in new ways the friend will appear before you. Only realisation guarantees the success and kingship of eternity. This Universe submits to those who become lost in the universe of realisation – the entire universe turns into a tiny speck, and displays itself in that tiny particle to the individual who views it. Hence, do not stop even if you reach the valley of realisation… Keep walking… Keep walking, because even if all the trees in the world turn into pens and oceans into ink, they could never encompass the attributes of the world of realisation." (Episode 8)

The bird asked, “Ok, would you please tell me the names of those valleys?”

Hoopoe answered, “Sure, the first one is the valley of *Talab (Yearning),* then *Ishq* (Love), which has neither beginning nor an end. The third one is *Maarifat* (Realization), and then there is *Istighna* (Detachment). The name of the fifth valley is *Tauheed* (Oneness of God), and after *Tauheed* there is *Hairat* (Wonder). The seventh valley is *Fanaa* (Annihilation); whosoever reaches this station loses track of the path to return. *Fanaa* is just like a droplet that annihilates in an ocean.

When you reach the valley of yearning, you indulge in sufferings frequently. This valley is actually an examination hall. People struggle for years to free themselves from sufferings, but the only way to get out of this gravitational pull is to focus one’s attention on a point completely, and to cleanse one’s heart from all fears. Then the heart illumines with *Noor* (a stage of divine light) when the mind diverges from material desires. Immolate yourself in the light just like a moth. You desire love and love is devoid of all fears, and surrendering before the beloved becomes easy when fear leaves. And then the blessings and mercy will shower upon you.”

Once a man beseeched God, “O God! Open your door for me.” Hazrat Rabia Basri (RA) who was passing by, said to him, “O ignorant one! When was His door closed? It is open and His Blessings have surrounded everything. Everyone is collecting it according to their *zarf* (capacity) and the ignorant are lost in their ignorance.”

Then appeared the valley of love. Those who made it to this level, were seen sunk in the sea of Love. On that stage, the suffering still didn’t end, for when one climbs the higher stages, the tests and trials begin too. Intellect has nothing to do with success here, as it is confined whereas Love is infinite. Intellect brims with ‘I’ whereas Love is free from it. The traces of love are found only when the *ghaib* (Unseen) enters one’s vision. It is concealed in every atom of the universe. It teaches the method of self-knowing. Love is trust, and doubt conceals trust. When love takes over, everything else becomes secondary. A lover is the one who loses everything, and won’t back off from even being beheaded in order to unify themselves with their beloved friend.

In the valley of love, the birds were in the state similar to that of fish out of water who struggle, gasp, and yearn to get back into the water. At that moment, the bird flying alongside the Hoopoe said, “The valley of love is immensely deep. My desire has increased and I am no more the same person that I used to be. My self is yearning and calling Simurgh!”

When Hoopoe saw the birds in such a state, he said, “This is the valley of love. Whoever sacrifices their lives here will attain a life of

be sought in reality, which is everlasting and eternal. Otherwise, happiness is taken over by grief and thus the cycle continues.

Har Khushi ik waqfa-e-tayyari saman-e-gham /Har sukoon muhlat baraye imtehan-o-iztarab

Every moment of happiness is followed by grief / Peace is the intermission between tests and trials

The Parrot asked, "So you are suggesting that what I regard as happiness and grief are actually something else? If this is the case then what is the reality?"

Hoopoe replied, "You were happy before you became worried, and after attaining happiness you will become worried again. This cycle is fiction. What else would you call a thing that continually changes?"

A bird asked, "After I get to Simurgh, and when the secrets of the universe dawn upon me, what should I ask from Him? Hoopoe answered, "O ignorant one! Ask for Him from *Him* – Tell Him, I only want You, and that there is nothing else that I want."

After that there was a pin drop silence. Hoopoe said, "I am here to answer your questions. Ask me so you may get rid of the confusion in your minds."

It seemed as if they had no more questions to ask, so Hoopoe thought to call it a day. But at that point he felt a movement in the middle of the caravan, and there it was, a little bird stepping forward and making way for himself. Hoopoe smiled endearingly while looking at him.

The little bird upon reaching forward asked Hoopoe, "All I want to know is what it would be like if I submitted myself to Simurgh? If I only waited on Him to command me? I will gladly submit to His words with my heart and soul… and I will be held accountable and punished if I do not."

Hoopoe got down from his throne, held up the little bird in his arms and caressed him. He then praised him, "Bravo, Glory to God the Great – what a prudent question you've asked. Listen, success lies in submission; the one who submits to Him, will reach His court. The obedient ones are kept from indignity and break free from calamities. '*Ba Adab – Ba Naseeb, Be Adab – Be Nase*eb' (Respect is Fortune, Disrespect is Misfortune)." After this, the session came to an end.

The caravan of birds were flying towards their destination. During the flight, a bird asked Hoopoe, "How much more do we have to travel?" Hoopoe answered, "We are to cross the seven valleys to reach the *Special Court.* Those who have trudged on this path, have never returned from the same route, nor are they aware of the distance and counts of this path."

The bird then asked, "Why didn't they return?" Hoopoe responded humbly, "Only those who were honoured with His appearance know better."

The Diary of Birds

Summary of the Previous Episodes: Mantiq-al-Tayr (The Diary of Birds) is a marvel, authored by the pen of Farid al-Din Attar (RA), who has beautifully presented the knowledge of tasawwuf and True love figuratively in the garb of birds. Through the narrations of the attributes of birds, Attar's (RA) aim is to have the creations look for their Creator, which is only possible when we destroy our "ego", and let our intellect follow the True Reality. The Hoopoe comes forward as a messenger of the birds who introduces them to King Simurgh, by telling them of his magnificent attributes. The birds become restless in wanting to meet Simurgh and with the leadership of the Hoopoe, begin their journey. Since the journey is uneven and long, the birds become perturbed. Each of them tries to give up and narrates an excuse, but the Hoopoe tries to convince them that their pretext is weak. During the journey, when the birds set down to rest, they asked Hoopoe about their affiliation with Simurgh. Hearing the answer, the vigour to reach that high station developed within them. Hoopoe tells them of the variable nature of the world, and the consistency of the nature of the king and his relation with birds. After knowing the truth, the birds began their journey with zeal and zest. Journeying through the turbulent paths, they see the first valley of Sulook (the path of spirituality). The birds requested Hoopoe to tell them about the protocols that the journey of Sulook demands to avoid embarrassment before the king. During the short stay in the first valley, a session of question and answer began. Read More…

The birds in the caravan were coming up with questions, and Hoopoe, perched on the throne, was answering their questions with equanimity. When his sight fell upon parrot, he asked him, "O brother, what is the matter? Don't you want to ask any question?"

The Parrot smiled and said, "I am also upset and anxious, but listening to you has calmed my nerves, and elevated my spirits. During our flight towards our goal, we waver from time to time. Our eagerness to know about the destination makes us restless, but please tell me what it is that should keep us happy during our expedition?"

Hoopoe replied, "Being submerged in the thoughts of the One who you are traveling for, will keep you happy. The only thing that can make us happy in this world and other realms is the union with the beloved. On the contrary, what we consider as happiness is not happiness at all. If it were, why doesn't it last long? My brother! Happiness can only

time and space. However, the waves of *Ana* (Ego) are endlessly present everywhere. Time and space distances remain under their control. In other words, for these waves time and space distances do not exist. Distances reduced by Light waves are not even acknowledged by the waves of *Ana*".

The following part of this article will deal with issues relating to connection between movement of other stars and stability of our solar system and whether sun rises from the east and sets in the west only or it can be vice versa.

As mentioned earlier, our solar system consists of a sun with planets, satellites, dwarf planets, asteroids etc. orbiting it.

US based NASA and Europe based ESA sent several missions as far as Uranus and Neptune to study many planets. Astronauts from various states prepared outlines indicating physical and chemical properties of celestial bodies. This way a general model of solar system was prepared. Model profiles a body or a phenomenon expressed through algebraic equations. Symbols (common alphabets) in such equations are arranged in a manner that their sum comes to 0. All these symbols indicate one of the properties of the body or phenomenon. When scientists want to record any phenomenon, they assign a symbol to its various properties. For instance, while formulating model of rain, they assign A to velocity, B to quantity and C to duration of rain. Variations in these properties appear in a way that their algebraic total comes to 0.

This zero helps phenomenon take place in right proportions or a body maintain its existence. Question arises as to why algebraic total is 0.

The reply to this query may be found in possible impacts of any phenomenon. If a phenomenon takes place at a smaller scale and has no impact on the overall larger system or adjacent smaller ones then the equation of the phenomenon is rightly formulated. If the phenomenon is causing instability in an overall system or adjacent systems, it can be concluded that the equation is not perfect.

In other words, while formulating equations all relevant properties and details need to be carefully observed and recorded. An imperfect observation or faulty experiment leads to imbalances. This imperfection encourages further research and experimentation for development of a perfect model of any phenomenon. A model, thus formulated, reflects quantities of various properties in any phenomenon and underscores their mutual relationships. When determined quantities blend accurately, a perfect phenomenon takes place or a body comes into being. As long as quantities and structure remain intact, a phenomenon continues to manifest itself or a body maintains its existence. Otherwise, disintegration sets in.

(To be continued)

other equipment, spectrometer can be used to observe surface as well as sub-terranean features and properties of properties. These properties are determined by X-rays emitted by planets. These rays are of varied frequencies and levels of temperature indicating various processes and results of their interaction deep down planet surface. The X-ray exploration also indicates any potential change in a planet. If there are similar changes in two planets then the reasons for the changes will also be similar.

X-ray spectrometer sees clear similarity among Venus, Earth and Mercury. Although Venus and Earth are almost similar in size and Mercury is smaller, Mercury and Earth are orbiting at almost similar velocity whereas Venus is moving at a slower speed. The atmosphere of Venus and Mercury is filled with carbondioxide whereas Earth's atmosphere contains nitrogen and oxygen in large quantities and a small quantity of carbon dioxide. These similarities notwithstanding, these three planets differ in distance from sun, atmospheric pressure and surface temperature due to varied quantities of atmospheric constituents as well as velocity of Venus.

According to experts, with one sun, eight big planets and over a hundred moons, our solar system is 4 billion and 600 million years old. As mentioned earlier, various celestial bodies orbiting around sun can be seen by human eye or their presence felt through X-ray exploration. All celestial bodies are orbiting sun along an oval passage. This system is part of a huge galactic system which is reflected in dark but clear nights in the sky in a wide Milky Way. This Milky Way is studded with several twinkling stars. According to an estimate, there are 200 billion suns in this Milky Way.

Since, it is very difficult to frame galactic distance in traditional scales, statisticians have devised various scales such as Light Year (Ly) and Astronomical Unit (AU) to measure distance. Distance between sun and earth is considered as 1 AU, between sun and mercury 0.39 AU and Sun and Neptune 30 AU. The last dwarf planet Eris which can be seen through Hubble telescope is about 67 AU from sun. In accordance with laws of motion, light takes 9 minutes to reach earth when speed of light is 300,000 km per second. Similarly, Pioneer space vehicle launched in 1973 is at 80 AU while Voyager is at 90 AU from earth. Light reaches Eris in about 9 hours.

In short, the spread of our solar system is too big to be accurately measured by modern science. Statisticians try to determine distances among various celestial bodies based on speed of light. Nevertheless, an authentic measure has yet to be developed.

Khwaja Shams al-Din Azeemi explains the existence of the speedier than light waves as follows:

"Scientists consider light as the speediest wave. But it is not

observed in other planets. The three dimensional model of our earth reveals that this planet came into being 4 billion and 600 million years ago. The vast majority of our solar system's mass is in sun. The rest initially orbited around it in the shape of small discs which continued to attract planetary dust in the system. Slowly and gradually, the dust enhanced their mass and these discs evolved into planets, dwarf planets and satellites. According to IAU, a planet is defined as a celestial body with considerable mass orbiting sun along an oval passage. No other celestial body is traveling in parallel or along its orbit to influence its gravitational force. Such bodies are found in asteroid belts too called dwarf planets.

Observation of visible stars and satellites such as sun and moon triggered human inquisitiveness about celestial bodies leading to invention of complicated telescopes and exploration of solar system as well as study of various frequencies of light emitted by remote stars and planets. Astronauts travelled through space, stepped on moon and collected samples of soil there. US based NASA and Europe based ESA competed to bring samples of soil from other planets through highly sophisticated equipment. Space machines such as Voyager and Pioneer were used to study celestial bodies from Uranus to Neptune. Information thus gathered was employed to create a general model to standardize all the solar systems.

According to this model, in any solar system there should be 18 physical properties in determined quantities. These quantities regulate strength and stability of solar system and keep it functional in a specific balance in a universal programme. Any change in quantities could destabilize solar system and cause devastation not only in that system but also in adjacent systems too. These 18 physical properties are as follows:

1. Average orbital distance (Average distance between sun and planet)
2. Distance from the sun
3. Planetary Radius
4. Volume
5. Magnitude
6. Mass
7. Density
8. Planetary surface area
9. Gravity
10. Escape velocity
11. Planetary velocity
12. Rotation period
13. Mean orbit velocity
14. Orbit inclination to elliptic
15. Inclination of orbit to equator
16. Orbit eccentricity
17. Surface temperature
18. Atmospheric constituent

Scientists obtained above information and related data through space vehicles and analyzed it, inter alia, through spectrometer. A part of this data was used to compare inter-planetary gravity, temperature, atmospheric constituents and climatic conditions. In addition, data regarding gravity and movement was used to prepare a map of the solar system. Unlike other equipment, spectrometer can

The Universe

Statisticians try to determine distances among various celestial bodies based on speed of light. Nevertheless, an authentic measure has yet to be developed.

Qalandar Baba Aulia (RA) says that when God desired to bring this universe into being He said "be" and with this, the programme of universe in His mind appeared in the following order.

One *Kitab al-Mubeen*

300 million *Loh-e-Mahfooz* (Preserved Tablets) in each *Kitab al-Mubeen*

80,000 *Hadeera* in each *Loh-e-Mahfooz*

In each *Hadeera*, over 100 billion populated permanent and 1200 billion non-permanent systems

A system means a solar system. Around every sun, there are around 9-12 planets.

According to IAU (International Astronomical Union), every solar system in this universe comprises a sun, planets and other celestial bodies orbiting the sun. Our solar system also has a sun, planets, satellites and other celestial bodies. In this system, sun is the only luminous star while other planets and satellites survive on its various properties. Their shapes, gravity, orbital movement as well as various perceptible and imperceptible lights they contain, depend on sun. This system exists in an oval shape in our galaxy. Experts inform us of another solar system in addition to our own i.e. KOI-500. This article, however, deals with our solar system and its structure.

99.9 percent of mass in our solar system is concentrated in sun explaining sun's strong gravitational force. Solar gravity helps sun keep its dependent bodies i.e. planets, satellites, meteorites maintain their shapes and rotational balance among them. At various distances, 13 planets and satellites are orbiting sun, eight of which are Mercury, Venus, Earth, Mars, Jupiter, Saturn, Uranus and Neptune. The former four are made of solid rocks and metals while the latter's solid bodies are covered with gas clouds. From afar, they appear like huge gas balls. Gas adds to their mass.

In addition to these planets, there are certain asteroid belts in the solar system. One of these belts is between the orbits of Mars and Jupiter and the other is near Neptune. These belts are occupied by dwarf planets among other asteroids. The names of five dwarf planets are Ceres, Pluto, Haumea, Makemake and Eris. In addition to these planets, interplanetary dust freely travels between various planets. Most of this dust is concentrated around planets largely made of gases.

One or more moons are rotating around above 6 planets and 3 dwarf planets. Their constituent

the feast you have offered."

To which the King replied, "The food is ready." Within moments, all of the food that was cooked in the 700,000 cauldrons was gobbled down by the fish.

The fish then said, "I am not full yet, this was only one bite for me; God feeds me three similar bites every day."

Prophet Solomon (PBUH) submitted and bowed before God and expressed his meekness, "Without a doubt, it is God's trait to provide provisions to all creatures."

In Chapter Saad of the holy Quran, an account is mentioned in which Prophet Solomon (PBUH) was tested, along with the prayer he made.

"And verily We tried Solomon, and set upon his throne a body. Then did he repent. He said, My Lord! Forgive me and bestow on me sovereignty such as shall not belong to anyone after me. Lo! Thou art the Bestower."

(Quran, 38:34-35)

Scholars have explained the verse as follows:

Once Prophet Solomon (PBUH) was very ill. His condition turned so bad that he looked lifeless when he was laid down. God then blessed him with health and after regaining his health, he showed gratitude to God, sought forgiveness, and acknowledged his helplessness. He prayed, "O God! Grant me a kingdom which suits not another."

The objective of the trial was for Prophet Solomon (PBUH) to see and believe (*ain al-yaqeen*) that God has control over everything – status, power, life and death – and that Prophet Solomon (PBUH) should bow down before God as other resolute prophets did and seek forgiveness from God wholeheartedly.

The Termite

Prophet Solomon's (PBUH) passing from this world is mentioned in the holy Quran as follows:

The Jinn were busy building a huge structure as instructed by Prophet Solomon (PBUH). During that time, God summoned Prophet Solomon (PBUH) away from the material world, but the Jinn did not know of it, and they remained busy with their work. The termite ate the staff that the prophet was holding while standing there. This disbalanced the body of the Prophet Solomon (PBUH) and he fell down. Only then did the Jinn find out about the departure of the Prophet Solomon (PBUH).

"And when We decreed death for him, nothing showed his death to them save a creeping creature of the earth which gnawed away his staff. And when he fell the jinn saw clearly how, if they had known the Unseen, they would not have continued in despised toil." (Quran, 34:14)

(Episode 3)

ever, you may go to the garden." Prophet Solomon (PBUH) went to the garden and fell asleep under a tree. A cobra came over to guard him. When the lady's husband came home and went to the garden, he became worried and asked his wife, "Who is this person and why he is sleeping here?" She replied, "He is a traveller who knocked on our door. I told him that my husband isn't home, and that he should go to the garden."

The cobra left when the prophet woke up. The man was very impressed by this feat, and after serving the prophet well, offered his daughter for marriage. Prophet Solomon (PBUH) accepted it. He stayed there for three days and then left for elsewhere.

Asmodeus was a Jinn and had taken over the throne by disguising himself as Prophet Solomon (PBUH). His suspicious activities made doubt grow to the claim that he was Prophet Solomon (PBUH). To clear the confusion, a secretary in administration asked him to recite the Torah. Asmodeus was unable to read the Torah, so the people started reciting it. Asmodeus disappeared after listening to the word of God, and threw Prophet Solomon's (PBUH) ring into the river.

The Ring in the Stomach of Fish

One day, Prophet Solomon (PBUH) saw people catching fish at the bank of a river, so he also started catching fish with a person there. He caught one fish that he brought home and asked his wife to cook it. As she cut the fish open, she found the lost ring of Prophet Solomon (PBUH) in the stomach of fish. Through this Prophet Solomon (PBUH) returned to his throne.

Prophet Solomon (PBUH) had a huge dining setup. His *langar-khana* (free meal kitchen) was always full of people. It pleased him to feed them. One day, it occurred to him to invite all of the creations of God for a feast, so he spoke to God, "O Lord of all realms! I would like to arrange a feast for your creations." God replied, "O Solomon! It is my job to provide provisions. You will fail to feed them even once." Prophet Solomon (PBUH) said, "God, whatever I have is blessed by you. I want to serve Your creations with the same."

He then arranged a feast on a massive stretch of land. Jinn were commanded to spread a wide, stainless floor for dining, and to bring and stock all sorts of foods from the nooks of the east to the corners of the west. The wind was commanded to suspend the floor in the air so that every creature could attend the feast.

Seven Lac Cauldrons

It is said that there were about 700,000 huge cauldrons that were used to cook food. As soon as the food was prepared, a fish drew its head from the river and addressed the King, "I am decreed to attend

Prophet Solomon (PBUH)

The Jinn were busy building a huge structure as instructed by Prophet Solomon (PBUH). During that time, God summoned Prophet Solomon (PBUH) away from the material world, but the Jinn did not know of it, and they remained busy with their work.

Jinn Engineers

Prophet Solomon (PBUH) had a magnificent palace built from engineers among humans and Jinn. It was an exemplary work of art as the gleam of glasses, colours, and phenomenal handiwork made it stand out. To enter the palace, one had to cross a veranda. In place of a veranda, a huge water tank was dug, which was filled with water and covered with crystal clear glass. The floor was so elegant that it would delude many into thinking that it was not a floor, but flowing water itself.

The same happened with the Queen of Saba when she visited the palace. She raised her dress to her ankles to get down into the water. Prophet Solomon (PBUH) said, "This is not water. The entire palace and this floor are made of shining glass." The queen lowered her eyes with embarrassment, and the arrogance and superiority within her weakened. She admitted humbly to God, "O' Lord! I wronged myself by worshipping others except God. But with Solomon (PBUH), I believe in One God Who is the Lord of the whole universe."

Prophet Solomon (PBUH) was a great king and a prophet of a high status. Prophetic qualities were evident in all of his actions. He would not associate himself with anything, rather he considered everything to come from God.

Ism-e-Azam

Despite Prophet Solomon (PBUH) being a prophet of high status, and a great king, he was tested through tough situations many times. Once he went to the lavatory and left his ring with a maid. The ring had *Ism-e-Azam* (a name of God which has the highest value above all other names of God) engraved on it. In the meantime, the king of the Jinn, Asmodeus (sometimes linked to Ashmedai), appeared, snatching the ring from the maid and taking over the throne. The ring was very precious as it was used as a stamp to place on orders related to the affairs of the kingdom. Everything Prophet Solomon (PBUH) had was lost, and so he retired to a jungle.

Prophet Solomon (PBUH) was very hungry at one point so he knocked on a door. A lady called out from inside, "Who is it?"

Prophet Solomon (PBUH) said, "I am someone you must feed."

The lady replied, "I cannot invite a stranger man to my house in the absence of my husband. How-

the other side, a corpse lay waiting for the post mortem.

Javed was observing all of these tragic scenes attentively. Overwhelmed with the situation, he felt like giving enough money to other patients so that they may transfer to the private ward.

The sound of his hiccups grew and could be heard from a distance. All of a sudden, a young man with a plastered hand approached him, and called gently in a low tone, "Brother."

Javed looked at him and thought, "Who might this be?" "Brother," the young man went on again. "Don't you recognise me? I am Rasheed Ahmed. I was aware of you being here in this district. I saw your picture a few days ago with my sister in law Salma, and even if I hadn't, I would have recognised you anyways."

"Wow!" Javed said. "Rasheed, you've changed a lot! Why are you here?"

"I got a job in a company. I was on a business trip when my bus overturned. Several passengers died or got injured. Both of my wrist bones are fractured with a crack in my collar bone. I have been crying and thinking about you ever since I arrived here, but I had lost your address so I couldn't call you. But how fortunate I am that you came by yourself."

Javed was affected by Rasheed's condition, and stepped forward and embraced him. His heart melted.

Rasheed was his cousin. Javed always admired him for his wisdom. It had been quite a long time since they had met.

"Why didn't you inform me? Come with me! Let me ask the doctor," Javed said.

Rasheed responded quickly, "No, you don't need to." But Javed moved towards his ward so Rasheed walked along with him. When he reached there, he realised that he no longer had any hiccups.

"Have they stopped?" Javed thought. He smiled and said, "Ram Bharose! I am cured! The hiccups left on their own, and now Rasheed will live in this ward."

Ram Bharose observed Javed and listened close for any sign of hiccups, but there was no sound of it. "Maula Daad! His lordship is healthy and sound." Maula Daad ran towards them while scratching his scattered beard, "Is it true, Ram Bharose?"

Javed helped Rasheed lay-down on his own bed. Rasheed was experiencing strange sensations in his injured, numb hand. The bone couldn't be easily fixed and healed, but the blood was flowing, probably from Javed's brotherly love that pumped energy to his arms, and ran through his veins.

spect and love, especially those pushed away from the level of humanity – they sense much warmth in this behaviour.

Javed's sickness aggrieved the entire family. The women stopped operating the hand mills that day and the children postponed their favourite evening games. Many workers gathered inside the tent and sang country songs as the women beat drums, and for quite a while they danced too, but there was no end to Javed's hiccups.

He was awfully languished by the next morning. Eventually, it was decided to take him to the hospital in a truck. Therefore, one day, all work stopped but the coal ovens still smouldered inside. The trucks arrived to load the coal, with some topped up and some half-loaded. Hurriedly, one of the trucks was emptied wherein a charpoy was placed, covered with a bedspread, and Javed was laid down upon it.

At the time of departure, the eyes of the women were brimming with tears, and the children's faces were gloomy.

One of the upset children cuddled his mother and asked, "Mum, where is he going?"

"The hospital", she answered sadly.

"When will he return?"

"At God's Will!"

Javed left the camp. A clerk and a few workers accompanied him. His hiccups continued during the entire ride, and he continued sipping tea from a flask.

The small convoy reached the city in three hours. Javed initially stayed in a hotel there while a doctor came to examine him, gave him medicine, and then administered an injection.

Javed slept for quite long, and when he woke up, his hiccups resumed. In his sleep, a private ward had been arranged for him in the hospital and he was taken there. At the entrance of the ward, he cast a cursory glance at the environment inside, but returned to the lawn and stood there.

"I would like to stay here for a while. In that time you may put everything in its place," Javed told them.

He wandered there slowly as his hiccups continued, and yet he crooned poetry from time to time. While strolling he wandered towards the general ward.

The environment there was miserable – the distressed patients were impatiently moving in their beds. Some had left their beds and came outside despite having dressed wounds on their heads, or severe coughing fits. A patient was screaming with pain in his broken hip-bone – his leg had a weight tied to it weighing what seemed to be several pounds. Nurses, in their uniforms were trooping around.

Doctors would sometimes pass by randomly. Some individuals looked perplexed and worried outside an operation room and on

helper. She had been accompanying him for the past ten years in desolate and uninhabited places. She always took good care of his well-being and comfort.

A harsh but sincere voice responded, "What is it, Sir?"

"Get me water!" Javed said. "But not food, I will drink water first!"

Once the water was brought to him, Javed drank it sip by sip, but taking a sip would cause the hiccups to only stop momentarily and then resume the next moment. Ram Bharose's words were now stuck in his mind: "Sir, somebody is thinking of you!" Then an old couplet emerged in his mind that had been resting in his subconscious for God knows how long:

Why do I hiccup, O my stricken heart?

Perhaps, my naughty beloved thought of me at last

He didn't believe in such poetic concepts as he was a graduate in science. Thus, he never paid any attention to the conventional aphorisms like how a snake lost its vision because of garnet, or how linen dresses tore in the sunlight. He believed them to be exaggerations by poets with no scientific or experimental evidence. More importantly though, Javed had no beloved in the entire world whose thoughts of him would arrive in the form of persistent hiccups.

In the noiseless world of the wild, instead of human beauty, where nature is seen with all its beauteous splendour, he had forgotten all of those figures of flesh and bones, whose sight would trigger and stir emotions within him. Scientific ideologies and an intense commercial life had pushed his mind away from such eliciting charm.

The hiccups accelerated gradually, and that began to worry him. A wave of anxiety spread across his camp. The labourers slowed down their activities, harmonious songs the women sang lost their passion, and hullabaloo of the laughing children quietened down.

Javed's behaviour towards his task force was respectable. Everybody in the camp lived like a family and they considered Javed as one of their members who equally partnered in their weal and woe, singing, and festival dancing. He even took care of whoever fell sick. The labourers covered in the dust of coal sat around him and conversed for hours. He used to play radio for them so that they could listen to the songs, offered them *beeri* and cigarettes, presented hot tea and coffee if someone caught a cold, and distributed peanuts and roasted grams among them. This is why all of the workers spent their time happily even in severely hot and cold weathers with him.

With the end of the monsoon, they would gather around him with baskets and axes. They found it very comforting sitting under the roof made from Teak leaves. Everyone values moments of re-

Hiccups

It has been an old myth that if one hiccups, someone is thinking about them. This we have heard from our forefathers too. We have not had any experience to verify this thus far, but maxims from our elders validate their own life experiences however. Based upon this, we present this short story to you.

Why do I hiccup, O my stricken heart?
Perhaps, my naughty beloved thought of me at last

Amid the dense woods of Andhra Pradesh, under the breezy shadows of tall Pine and Teak trees, there was a hustle and bustle in the camp of a forest contractor, called Javed. His tent was erected among the high trees in a pleasant location. At a distance, there were bamboo huts for the workers, while clay stoves were smouldering outside. A few yards away, some clay ovens were being opened under the light of pressurized paraffin lamp, and several workers were loading coals from the ovens into the trucks that were lined up.

It was summer and the month of June had begun. Javed was trying to deliver most of the construction timber and firewood to the train station, and all of the coal stock as quickly as possible. There was smoke coming out of the stifled clay ovens. It was an interesting sight to see amidst the ongoing business activities.

While Javed was busy noting the accounts of his business in his room, a few labourers covered in coal dust were sitting and smoking *beeri* (a cheap, thin mini-cigar that is manually filled with tobacco typically found in some Asian countries) near him. Javed would talk to them a little and then get busy writing in the register. Nearby, there was a battery run transistor radio that wasn't working as the battery had not been charged for several days. Ram Bharose asked, "Sir, why isn't the radio playing? It feels good when it plays music and we hear songs."

"The battery has died. Once I get it recharged from the city, it will begin to play songs again."

"When it plays, it keeps the women and children amused."

Javed went quiet again and began to write in his book as usual, but all of a sudden, he had a hiccup. Then it happened twice, and then it was followed by a third. Javed paid no attention to it, but Ram Bharose spoke, "Sir, somebody is thinking of you." Javed's lips curved into a smile, as if he had not taken the remark seriously.

When the hiccups did not stop however, Javed closed the register, took off his glasses and called out to his maid, "Ram Kali!"

Ram Kali, a native of a village in Madhya Pradesh was his loyal

V

January, 1961.

Once, Baba Qadir's (RA) helpers were talking to each other after getting done with their chores at around midnight. The topic of their discussion was that only the lucky ones find the true spiritual master as they are rare, whereas others take strenuous work from their students, but that bears no result. This discussion took place at quite a distance from Baba Qadir's (RA) room. At breakfast, Baba Qadir (RA) read the following couplet in a very sweet manner:

"Thirst does not care about the washing area, hunger does not care about the leftover rice

Sleep does not care about the broken bed, love does not care about the rank and caste"

He then said, "All the rivers and streams have gone dry. The land of the Arab is a strange place. There is plain desert and sand everywhere, but there lies some oasis too – springs of water – around which the palm trees grow. These springs are about 20-40 yards long and wide, and contain enough water that it doesn't reduce in level if even a thousand camels drank from it at the same time. These springs are fed through underground streams which cannot be seen through physical eyes. Very often it happens that a camel smells and identifies the water spot, and upon digging a little, the water surfaces. The camel is a strange animal. It is also known as a ship of the desert. It carries a huge weight. It can stay hungry and thirsty for longer periods than one can think of. It eats wherever and whatever amount is given to it. If it doesn't get anything, it does not care for weeks. Typically, it is friendly and unharmful, however, sometimes it chews a man's head."

Then he added, "The date palm has strange characteristics. It has neither branches, nor as such a shade. Its fruits are at such a height that no ladder can help in attaining it; it can only be attained by those who know to climb. From the date seeds, other trees can be planted, but these are *Tukhmi* (from the seed). They are not produced through grafting. Its roots spread to a far distance and from there, saplings grow. In this manner, the desert becomes populated."

God knows to what hidden system Baba Qadir (RA) was referring to by mentioning underground springs, oasis, the carrying load of camels and the travel of the desert.

Baba Qadir (RA) says to the seekers of the true path, "Never worry about the spiritual gains or think, 'What status do I have?' or 'What have I achieved?' Just consider how much of yourself has been annihilated, and whether 'I' is still left within you? This is the secret to attain the Truth."

"Do not open the eyes through which you see your beloved

Gradually, turn into a dream and dwell in the world inside."

(Last episode)

broken heart is strangest. The fragrance of Self is love. The attributes are a clothing. The fire is Exaltedness and the flower is His beauty. And the Self is superior to all of this." This is how Baba Qadir (RA) disclosed secrets while strolling with a rose in his right hand, and wearing a beautiful smile on his face.

In 1959, Baba Qadir (RA) visited the shrine of Baba Taj al-Din (RA). On his return, he gave many signs of his departure from this world.

Upon his arrival he commanded, "Raze those weak and small houses at Lal Metay. I will be buried here, but the time to go hasn't come yet. I will live a little more."

In his last days, he expressed a desire to go for Hajj. Innumerable people were blessed from Baba Qadir (RA) as per their aptitude. He would advise three things when sending disciples to spread the light of Truth, "Do not hurt anyone. Keep remembering God, and serve. Service is a mandatory ingredient of life."

The accounts of the blessed disciples of Baba Qadir (RA) can be read in the book 'Hayat-e-Qadir'.

One day Baba Qadir (RA) said, "Many fish have come into the market. I really like fish (those who are in quest of the Truth)."

In those days, some of the people from Pakistan visited him. When speaking of them, he said, "See, it is Peshawar everywhere." And it was seen that his spiritual gathering was packed with people from Peshawar.

Baba Qadir (RA) was resting while he was unwell. Someone came over from Nagpur and brought some gifts. The guest said to Baba Qadir's disciples, "Place these gifts near the feet of the king if he is asleep." The disciple went inside and saw that Baba Qadir (RA) was sitting. He informed him of the guest from Nagpur and that he had brought bunches of bananas and flowers. Baba Qadir (RA) said, "He is a lover and a believer of the One God". A day earlier, Baba Qadir (RA) had told his disciples that a lion would come to visit him. And thence Baba Qadir (RA) went outside himself to meet him.

During the days he was sick, he said it number of times, "I will travel to Pakistan. Do they have fish. I will not shave my head till I find one."

Later he said, "There is somebody who has held your belonging. You will gradually be enlightened and will attain the blessing of both worlds and hereafter, if you follow what he says."

One day Baba Qadir (RA) said, "A pond of fresh water turned into a river. The river of fresh and salty water will merge – time and again – in this era and in the eras forthcoming."

Baba Qadir (RA) said to disciples, "I will not disappear, however you will not be able to see me." He passed away on the 27th

love of a Sufi embraces them too.

Allama Iqbal (RA) says,

"Strong belief, continuous effort and love which can conquer the world,

These are the swords of Men in the battle of life."

After that, Baba Ubayd Allah Durrani (RA) mentioned the description of Narain Patnum:

It is a small village, located in a huge valley. By walking through difficult, narrow paths and hills, one manages to reach there. All the mountains around the valley are used for farming. Small fields and a valley make a very pleasant sight.

We stayed in Narain Patnum for about an hour and after having mangoes and tea, we got into our car to return. It was very warm there. Where there were beautiful sceneries, we stopped and enjoyed it for a while. During the stroll Baba Qadir (RA) said,

"Why is it important to finish this journey and what is the purpose of this travel? It completed in such a wonderful manner. On one end there is success and pleasure, and on the other such a scorching heat. The Lord is so magnificent. Look there, three parrots are flying away, and there in front the mountainous range. That tall mountain in the fore front is the shortest, and the ones behind it are considerably taller than each other, but are at a good distance — but look here, they all appear as one."

On this occasion, Baba Qadir (RA) said, "Prophet Abraham (PBUH) was *Khalil Allah* – the friend of God. When he was thrown into a fire, the fire turned cold by the command of God. God ordered,

'O fire! be cold and safe for Abraham.' (Quran, 21:69)

The love of God blossoms in an individual when His love attains perfection within them. Their fragrance becomes a means of blessings, and their colour and beauty are beyond this world. The creations of God come to them, attracted to their fragrance, while they stay in their abodes. Beautiful butterflies devote themselves, and some nightingales sacrifice their lives for them after singing their enchanting song in fervour. The account of Prophet Abraham (PBUH) is albeit historical but as like all other verses of the Quran it also contains an insight that even a Prophet was thrown into the fire, and had to go through tests."

Then Baba Qadir (RA) said, "The key to *Ilm-e-Ladduni* (the knowledge of the formulas of the universe) can only be attained from a friend of God. One should spend some time under the supervision of a true master if they wish to understand the holy Quran, as every aspect of a spiritual master's life is an elucidation of God's commandments. The apparel of cognition is the blessed one, and only a friend of God knows of its value and excellence.

The Heart is strange, but the

whatever goes into it is cleaned too. If something loses its motility and dies, its fragments slowly break apart and go into the sea. And from the sea, its life begins.

People living on dry land are shy to wet their feet in the sea water. However, as soon as they get closer to it, a wave soaks their feet despite all their efforts to keep away. When the wave returns to the sea, it takes away the sand beneath their feet in a way that people find it difficult to maintain their balance. The enchantment of the night of full moon is a charisma.

This very same state can be observed on *urs* (the death anniversary of a friend of God). Followers can seek and receive blessings at any time of the year, but during *urs* , everyone is blessed.

We were sitting cross legged at the sea shore of Visakhapatnam behind our spiritual master. An hour passed and then two… yet everyone remained busy within their own states. I'm not sure whether it was to find the pearls from the depth of the sea or to gauge the depth of the sea. The sea was quiet, and so were we. All of a sudden, Baba Qadir (RA) stood up and joined his hands together over his head. For half an hour he stood still facing the sea. God knows what it meant to keep both hands on the head. Was there a responsibility that he was gladly accepting? Then Baba Qadir (RA) turned his face towards us and spoke to us about usual matters.

It was dark and ships were anchored about 1.5 to 2 miles away from the shore. The lights in them were shining, and it felt like there were two strong forts in the sea. In that very moment, Baba Qadir (RA) said, "One more ship is travelling from Kakinada. There are many ports, but the sea is the same everywhere. At places the sea is shallow and at other places it is very deep. The people have named them differently. These ships appear close, but they are far away. It is very difficult to determine the distance from the surface of the sea."

So such discussion continued and everybody according to their capacity unearthed the wisdom within them. After some time, when the third ship appeared, Baba Qadir (RA) said, "Look! Look it arrived." The ship anchored at quite a distance.

God knows what three ships, their lights, the sea and the shore implied to. Arriving and staying in that place, and what happened in that silence are all secrets that God knows.

Baba Qadir (RA) started walking on the beach and we followed him with a torch in our hands at some distance from him. There was a rock slightly outward on which he climbed. It was surprising to see that how the water had softened the hard rocks and penetrated into them, trimming off all of the sharp edges. Love has a similar impact. Irrespective of how hard and bleak hearted the opponent is, the passion in the

The Life of Baba Qadir (RA)

It was surprising to see that how the water had softened the hard rocks and penetrated into them, trimming off all of the sharp edges. Love has a similar impact.

The obedient disciple of Baba Qadir (RA), Baba Ubayd Allah Durrani (RA), has mentioned a couple of journeys of his spiritual master in the book "Hayat-e-Qadir". The following is a short summary from those accounts. He has also stated that these travels are of a very valuable nature as they contain signs that can help disciples seeking spiritual knowledge.

There is a beautiful port, Visakhapatnam Port, about 40 miles away from Vizianagaram. There are hills around the city, and one of its sides is touched by a sea. That is why the sea is very deep, and huge ships enter the city from there. Also, a shrine of Hazrat Ishaq Madani (RA) is situated on one of the hills. It is a very peaceful spot. If stayed overnight, the roaring sounds of the sea waves sync itself with the stirring emotions within oneself.

One evening, Baba Qadir (RA) travelled there with some helpers and guests in a car. It was planned in a way that the moon was visible in its peak. The car was parked near the beach.

The sea looks quite mesmerizing from the clean and crystal-like sand on the shore. It appears as if the sea has absorbed all the beauty of the moon within it, and its heartbeat guised as the waves are devoting themselves to the shore. The beautiful drape of the moonlight creates an atmosphere where it feels that the moon has enchanted the waves so much that they become passionate to embrace the moon. In this impressive way the waves rise with pride, move towards the shore and bump into it, turning itself into shards. It feels like against its confinement, the sea is staging a protest to show its raging emotions.

The sea on the night of the full moon creates a wonderful feeling within one's inner. As heaven bows down to meet the edge of the earth on the horizons and when its blue reflection merges into the blue water in a way that it becomes difficult to differentiate, which of them is earth and which one is the heaven; and who is the face and who is mirroring it.

The veil between the concealed and the apparent seems to be lifted due to the scenery and raging sound of the sea. This commotion, protest, huge waves and eventually their devotion is only limited to the shore. One will see nothing but tranquillity at a wide span of sea.

The sea is so magnanimous that whatever is dropped into it, it pops it out after a while from a slightly different spot. No matter the amount of filth that is poured into it, the water remains clean, and

from within you and make you aware of it. Let us understand what made Kasturi a superlative perfume."

He affectionately continued, "When you lost everyone, you found Him. When you lost everything, you gained Him. When you became a vagabond, you became His friend. When you served His creatures, He took upon Himself to serve you. When you offered gratitude for what you had, you won Him over. The one who walks towards Him must walk forward with nothing and no one. Those who are in the grip of material wealth can never be finders and keepers of the treasure hidden within themselves – God."

Looking into her eyes, he asked, "Now my dear Kasturi, do you want the material wealth that can adorn this bottle of perfume (physical body), or do you want to dive into the treasure and fragrance of Divine love within the bottle? What you choose will be you. Either you stay back in your prison or you can break through."

As Kasturi thanked the wise man and walked tall in the love of God, far in a distance, the onlookers heard a nomad sing couplets of Maulana Rumi (RA) that encourages spiritual travellers to follow the traces of the mystical scents.

The spirit is so near that you cannot see it!

But do reach out for it.

Do not be a jar full of water whose rim is always dry.

Do not be the rider, who gallops all night,

And never sees the horse beneath him.

———

The Sufi's books are not marked with words men write,

For it is a heart like snow, one pure and white;

The scholar's work through words he writes is known;

By footprints is the Sufi's method shown.

Like hunters he has hunted game instead;

He saw deer tracks and followed where they led.

For several steps, on tracks he has relied,

But now the scent of musk serves as his guide.

When he gives thanks for tracks, completes the way,

Of course through them he'll reach his goal one day;

To rise a stage by scent earns more for you

Than tracks or circumambulation do!

During the question answer session, a student asked, "Sir, I have been attending your lectures for five years, but I just don't get it. Could you please explain it in few words to me? Some people chuckled at this question. The master smiled and said, "Everything changes, except God."

There he was, sitting clad in white. His face radiated in unexplainable ways. But what stood out, was the enormous levels of love and compassion in his kind eyes.

She did not realise she was staring at him. At one point she jolted when the wise man locked his eyes with hers. She saw him nod his head and summon her forward. Shy and afraid she stood up meekly as many eyes followed her, and walked up to the wise man to kneel down at his feet. "Sit down comfortably," he gently encouraged her.

The wise man closed his eyes, took a deep breath in and looked up. "Does anyone smell the fragrance of musk?" He asked. The group of participants began sniffing the air and indeed, there was a strong fragrance of musk. "Where is it coming from?" asked the wise man. People started speculating and assuming, "It must be the flowers." "It must be the neighbours who sprayed it out." "Someone in the group must have brought it with them." The assumptions rolled in but no one was really sure from where the exquisite fragrance had filled the air.

The wise man looked at the boy and asked him, "Did you bring in musk with you today?" The boy looked flustered and shook his head to say No. They all looked at the boy with curiosity. How would a boy of 15 years of age manage to bring an expensive fragrance with him?

The wise man smiled more, "Indeed it is you who brought the musk with you, the purest form of musk, Kasturi!" As he said this, the wise man looked at Kasturi who was trying to crouch in her place.

Hearing her name, she looked up startled. "Me? The exquisite fragrance of musk? How can this be, respected Sir? I am all but a vagabond, with nothing and no one to call my own," she sobbed. "How can I be musk?"

The wise man smiled and said, "The *Noor* (God's Light) within each of us is like the fragrant musk. The body plays the role of a mere bottle for the fragrance within. But we are so focused on the beauty of the bottle that we never once look inside to see the contents within it. This fragrance is of the love of God within us. Our life is all about glimpsing within the bottle and experiencing our inner fragrance. The one who has smelt their fragrance or the Divine essence within them will never find anything worthier outside themselves. But the one who remains unaware of their fragrance will follow the scent and try to find it in things and people around them, and will move in circles of frustration, never realising what they seek is within themselves."

The wise man took another deep breath and looked at the audience who was now silent. "How did the fragrance fill the air?"

When no one answered, he continued, "It takes an experienced perfumer, to let out the fragrance

her stay for a while.

One day, for the first time he heard the desperation in her voice as she cried, “I am at my breaking point! There is no way back for me now.” She was surprised to find him smiling. Before she could consider him insensitive, he told her about the seed, the egg and the cocoon.

“At the breaking point of a seed, is a sapling waiting to be a mighty tree! At the breaking point of the egg is a bird ready to hatch and fly to mighty heights! At the breaking point of a cocoon is a butterfly waiting to kiss colourful flowers! Who knows what this breaking point will make of you dear Aunt Kasturi? You may transform and grow great like a tree, or fly to such heights that you have never imagined like the bird or just live a colourful and gleeful life like the fluttering butterfly, or even better, live your best version as a human being – God’s best creation.”

He heard her chuckle as she pulled his cheeks exclaiming, “My! My! Look how you have grown up! Who have you been listening to? What have you been reading?”

He joined in with her laugh and replied, “A wise man comes in everyday and speaks of things that are new and exciting. He shares experiences that are not just of this world. You must join us Aunt Kasturi. Maybe He will show you the way forward.”

“I can share a few teachings of the wise man with you,” he continued. “These teachings were playing on my mind and I have begun to note them down. Here are a few things I recalled and jotted down on breaking through.” Saying so, he began to turn a few pages in the diary that he always clung on to and started to read out loudly to her.

“Firstly, God has ordained in The Holy Book that one needs to break through the edges of the earth and skies to find Him.

Secondly, one has to break through their old patterns of thinking and adopt Prophetic ways of neutral thinking to progress.

Thirdly, one must break free from 70,000 layers crusted on our soul to find our true self.”

He paused and saw that her eyes were already lost in a strange trance; they were twinkling like the brightest of stars. He knew what she would ask him next. “When can I meet the wise man my dear boy?”

“This evening, he will be here at 6:00 P.M. Please join us, on the porch of the villa,” he said, as he walked back to his room.

Kasturi washed up and draped herself in a fresh cotton saree. She did not know what to expect but she was hoping that the wise man would set her free from this life of misery and loneliness. She sat in a far corner from where she could hear and see the wise man. Her comfort was always in the corners as she had always lived in them.

The Musk

The body plays the role of a mere bottle for the fragrance within. But we are so focused on the beauty of the bottle that we never once look inside to see the contents within it.

She was in her late forties and had no one that she could call her own. Abandoned by her husband at a very young age she would sit with tearful eyes every single day, silently watching the children in her neighbourhood play. She knew she could have no children nor a home of her own and often stayed in the corners that people offered her in their residences. Sometimes her allocated space was under the stairway, at other times it was in a storage room, and she had even stayed in an attic or basement. It made no difference to her. She would make every damp, dark or cramped space her extravagant home. He had never seen her complain about her situation or display any semblance of worry.

When he met her, she was living in a room that was earlier used to store firewood. He was impressed with her abilities at making a comfortable home out of any space given to her. Problems such as a lack of ventilation, the heat of the summer, or a leaking roof during the heavy downpour of rain hardly seemed to bother her. Her focus was only on how grateful she was to have the safety of the corner in the plush villa. The owners had been kind enough to let her stay for a year.

She found her peace serving as a nanny for children who were in kindergarten. She fed the little ones and ensured they emptied the lunch boxes. He had seen her hold onto the hands of the children as they stood by the school gate waiting for their guardians to escort them home. When it rained, she pulled them back to safety to avoid them getting wet. In the scorching sun, she made the children drink plenty of water and ensured they were not dehydrated.

Her name was Kasturi. It was one of the most beautiful names he had come across. It means musk, the fragrance found in a musk deer. It is said that the musk deer is so enchanted by its own fragrance, it often roams for miles to discover the source of the smell which in fact diffuses from its own body.

She indeed was a musk deer running after the fragrance of unconditional love that she herself was. He never had the chance to tell her that. Perhaps because he was not of an age where he could tell someone who was older than him by decades. He was only 15 years of age. Some things he felt were better experienced as a child and understood and appreciated as one grew up. He saw her looking for support in the people around her, seeking love in the children that were not her own, trying to find security in the homes that let

V

surroundings. As a result, the elements around them are stored in their mind in a sequence with all of their features, which helps one locate things easily. The impression of the surroundings on them is so grave that they never achieve respite enough to step into the sub-consciousness. In order to enter into a higher zone, one must make efforts to be free from the clutches of crowded thoughts." (*Loh-o-Qalam*)

The master explained further, "It is necessary to empty out crowded thoughts because when thoughts recur, they create doubts. The words of God negate uncertainty and affirm the law of concentration, as when God intends to do something, He says, 'Be' and it becomes. Remember that a lack of concentration affects movement and speed adversely, paving the way for space to dominate over time. This dominance can be understood with the following example: when thoughts are not centralised, a write up that could be completed in a day, is not finished even after a week."

Dear friends, there is no change and delay in the works of God. As per divine law, when things are viewed through a restricted consciousness, the objects viewed are bound to contract and expand – appear and disappear. God has blessed us with the ability of the Sultan through which one witnesses that there is nothing near nor far, and that the process of expansion or contraction does not exist in reality.

Respectable ladies, gentleman and students, you may ask questions and write to us for further understanding.

May God protect you.

repulsion is the outer facet of earth. To know what lies beneath the surface, one has to be free from the grip of gravity.

> "O company of jinn and men, if ye have power to penetrate (all) regions of the heavens and the earth, then penetrate (them)! Ye will never penetrate them save with (Our) sanction."
>
> (Quran, 55:33)

A student asked his master, "We see and reap the benefits from the sun and the moon. Does seeing them mean that our sight has crossed beyond the terrestrial zone?"

The master replied, "The laws of God are unchangeable. The reason one sees the stars and the moon is because they are familiar with the atmosphere beyond the terrestrial bounds, but it certainly does not mean that we are acquainted with what lies at their core. We are simply aware of the impact they have on us. The words 'acquaint' and 'impact' are indicative of the law of reflection. It clarifies that the consciousness only sees a reflection, irrespective of what the celestial bodies are in actuality."

The student asked, "If it is the reflection that we perceive, then are we both reflections too?"

The master answered, "The universe is like a globe. The earth and sky and the creatures within them, including you and I, are all reflections. The light beams from elsewhere, and that is where the true being is settled. A layman sees only the body enclosed in matter, but their subconsciousness observes the light within the body. This globe contains all forms and features. When we look at the matter, we actually look at the entity confined in the globe. But in dreams, the layer that conceals the matter becomes so subtle that one is able to see the *hayula* (prime material). We assume that we are acquainted with our surroundings, both within and outside the globe, but the truth is, what we see is a mere reflection. God has made the universe or earth a reflective mirror, so that individuals may increase their capabilities, and be attentive towards seeking the Truth. This is possible only when one becomes cognizant of the Sultan."

The student asked, "What is the Sultan? And how one can familiarise themselves with its knowledge?"

The teacher replied, "Sultan is a sight that sees the unseen realm. Abdal-e-Haq Huzoor Qalandar Baba Auliya (RA) has shared a formula so that we may become acquainted with it. He says,

"The more one grows older, the more one is engrossed in their

things in their dreams in the same way they would in the state of wakefulness. The holy Quran describes this confined pattern of seeing and thinking as:

> "If thou obeyedst most of those on earth they would mislead thee far from God's way. They follow naught but an opinion, and they do but guess." (Quran, 6:116)
>
> "And they have no knowledge thereof. They follow but a guess, and lo! a guess can never take the place of the truth."
>
> (Quran, 53:28)

God has explained the earth and its nature in various chapters within the Quran. He says,

> "And He it is Who spread out the earth and placed therein firm hills and flowing streams, and of all fruits. He placed therein two spouses (male and female). He covereth the night with the day. Lo! herein verily are portents for people who take thought." (Quran, 13:3)
>
> "Have We not made the earth an expanse, And the high hills bulwarks?" (Quran, 78:6-7)

The earth is a being like all other creations, whose duty is to nurture vegetations and fruits of various kinds. One of its attributes is to swell or expand. To sustain the process of expansion, the almighty Lord has spread out the earth and placed therein mountains and flowing streams. When something expands, time and space proportionally increase resulting in the deceleration of its movement. And when space contracts or shrinks, the process is reversed. The reason God has pegged mountains onto the earth is to keep its apparent movement in sync with the consciousness of those who are not aware of the subconsciousness or concealed senses.

It is important to note that the actual ability of the earth is to shrink but God has nailed mountains onto it in order to curtail this process and sustain life on it. Here, the apparent aspect of the mountain is under discussion, whose trait is explained in the verse mentioned below as gravity. When gravity takes root, it distances one from reality. God has negated gravity in the following verse as:

> "And thou seest the hills thou deemest solid flying with the flight of clouds: the doing of God Who perfecteth all things. Lo! He is Informed of what ye do." (Quran, 27: 88)

The process of expansion and contraction is directly proportional to repulsion and attraction respectively. Attraction is the inner facet, and

an entity. The side that we are aware of is called earth, and the one of which we are unaware is called the sky. The zones of the earth and skies can also be explained as the limit of one's insight. As we enter the regions of the skies, we find that each stratum is inhabited by creations. What is sky for us, is earth to them. But their earth, in contrast to ours, is the unseen world i.e. *ghaib*. The holy Quran sheds light on it as follows:

> "And verily in the heaven We have set mansions of the stars (*Burooj*), and We have beautified it for beholders. And We have guarded it from every outcast devil.'' (Quran, 15:16-17)

According to the words of God, the beauty of the *Burooj* cannot be discerned by an individual with a satanic thought pattern. Only the sight that is free of confinement can behold them.

It is a universal phenomenon that every creation is influenced by their surroundings. While marine creatures carry the traits of the environment they live in, the impact of the land is apparent on its inhabitants and the residents of sky are influenced by the elements therein. For example, the Earth is incarcerated in clay whereas the skies are zones of light. One of the attributes of light is to disperse, such that its limitations are not obvious to the eyes. This propels one to think,

- Why do the objects outside the terrestrial zone appear to us in Earthly forms?
- Do we actually look out of our Earthly zone at all?
- Everybody who looks at the sun or the moon considers them to be round discs, and the stars to be lit as if they were lamps. Are they truly as we see them?

It unravels that the pattern with which we see things on earth, becomes the basis of how we see and are acquainted with objects in the sky. The sight, despite reaching beyond the terrestrial zones, does not see sun, stars, moon or space – but it merely views what the mind sees. It establishes that it is the mind that shows us the infinite or finite aspect of objects as per our aptitude. For instance, viewing the sky with sunglasses, does not turn the sky dark. Or things do not turn colourful when we look at them through coloured shades. Likewise, rather than seeing the celestial bodies as they are, we only see the impact they leave on our minds.

Another example is the state of dreams where one steps into infinity, whilst still being present in the finite zone. Although the state of dream is a zone of light, where time and space are different from the state of wakefulness, instead of observing the light, an individual witnesses

Message of the Day

The universe is analogous to a mirror on which light from *Loh-e-Mahfooz* (the Preserved Tablet) disperses, and as a result, it displays forms and features within it. As the *Loh-e-Mahfooz* contains the record of every entity, it is a source of recognition among all creations in the universe. This acquaintance with the record enables the creations to observe life on not only the terrestrial zone, but the celestial zone too. This is the reason why an individual can see the sun, the moon, and the stars – a life different than that of their zone.

As per scientific calculations, the moon is at a distance of about 250,000 miles from the Earth and the sun is about 90,000,000 miles away. One must contemplate on the fact that irrespective of this enormous distance, the sun and moon appear to be at proximity to the Earth. However, when attempts are made to reach them through material means, the path leading to them seems to fade away. How does a sight reach an object at such a great distance, but a material body fails to do so?

This is because the zones of the earth and the sky have different spatiotemporal limits. These limitations exist everywhere, but their presence is not felt in the celestial zone like it is on Earth. In other words, the frequency of sight is modified when it travels across the space of the earth and into the space of the sky.

Eyes, spectacles, binoculars, telescopes or microscopes are different channels with diverse ranges of seeing things. However, it should be noted that it is not the lens in them that sees. Similarly, dreams and thoughts are other mediums of sight, but they surpass the aforementioned modes in terms of speed and function. The state of dream and thoughts leave their mark on an individual, and take them to different places at the same time. These states determine that the physical eye is not a source of vision, but it is only a medium, just like telescopes and binoculars. Hence, it is the medium that alters one into a state of consciousness or subconsciousness, but what enables one to see is something else.

Contemplation of the earth and sky reveals that they are two sides of

Contents

Message of the Day	K. S. Azeemi	172
The Musk	Bibi Anuradha (UAE)	167
The Life of Baba Qadir (RA)	Noor Jehan	163
Hiccups	Kausar Chand Puri	158
Prophet Solomon (PBUH)	Extracted	153
The Universe	Dr. Naeem Zafar (Ph.D.)	150
The Diary of Birds	Hazrat Farid al-Din Attar (RA)	146

"This too shall pass."

Vol 7 Issue 2 | March 2019 | Jumaad-al-Ukhra
Rajab — 1440AH

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

Monthly Karachi

Qalandar Shaoor

Neutral Thinking

(Urdu — English)

Patron in chief
Huzoor Qalandar Baba Auliya RA

Chief Editor
Khwaja Shams al-Din Azeemi

Editor
Hakeem Salam Arif

Circulation Manager
Muhammad Ayaz

Furnished by Azeemi University Press. Shah Alam Azeemi, the Publisher has published it at Ibn-e-Hasan Offset Printing Press, Hockey Stadium, Karachi and disseminated at Surjani Town Karachi.

Rs.70/- Per issue. Annual subscription Rs.950/- with Reg. Post (Domestic), US$ 60/- (International)

**Contact: B-54, Azeemi Mohalla, Sector 4-C, Surjani Town
Karachi, Pakistan. Ph: +92 (0)213 6912020**